گاندھاری

ایس۔ ڈی۔ مہانور

مترجم: مناظر عاشق ہرگانوی

ہندوستانی کتابوں کا سلسلہ

گاندھاری

این۔ڈی۔مہانور

مترجم

مناظر عاشق ہرگانوی

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

پیش لفظ

مہانور کا ناول 'گاندھاری' 1973ء میں زیورطبع سے آراستہ ہوا۔ اس سے پہلے 1967ء میں اپنے شعری مجموعہ 'رانا تلیا کویتا' کے ذریعہ مہانور نے ہم عصر شاعری میں اپنی شناخت بنالی تھی۔ ان سے قبل مراٹھی کی رومانی شاعری میں روایت پرستی سے تعطل پیدا ہو گیا تھا اور زبان کا مصنوعی پن نمایاں تھا۔ اس پس منظر میں وقت کے خلا کو پُر کرنے کی طرف مہانور نے خصوصی توجہ دی اور گہرائی تک پہنچی ہوئی عوامی زندگی کی جڑوں کی عکاسی متاثر کن انداز میں کی۔ انھوں نے فطری شعور کے متفرق رویّوں کو عام زندگی سے منسلک کر کے الفاظ، جملے، فقرے اور لئے کے استعمال کے ذریعہ قبول کیا ہے۔ 'رانا تلیا کویتا' اور اس کے بعد کی شاعری میں بھی مہانور نے جو محسوسات پیش کئے ہیں وہ بنیادی طور پر رومانی اور نفسیاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان نظموں میں ذاتی زندگی سے باہر جھانک کر آس پاس کے سماجی درد کو پہچاننے کی محدود کوشش دکھائی دیتی ہے۔ فطرت کے حسن میں مدغم ہونے کا جشن منانے والے مہانور سماجی حقیقت سے بھرپور ایسے مصرع بھی لکھتے ہیں۔

گرمی کی دھوپ ایک بار گاؤں پر چھا گئی
گاؤں اداس ہو گیا
گھر میں جو کچھ تھا جھولی میں ڈال کر ننگا ہو گیا
خواہشیں جھڑ گئیں پنکھڑیوں جیسی
معصوم لوگ
مضبوط بازوؤں کا زور ختم ہو گیا ہو جیسے
منحوس لوگ
پلکیں بند ہو جاتی ہیں۔
آنکھوں کے سامنے بھنبھنانے لگتی ہیں موٹر کاریں
بڑے بڑے لوگ ان کے موٹے موٹے الفاظ اور جھوٹے وعدے
روزانہ صبح نکلتی ہے دھند اوڑھ کر، گاؤں کی گھاٹی کے پار

مگر کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی
آنکھوں پر دھند چھا جانے سے
کسی کو دکھائی نہیں دیتا سمجھ میں نہیں آتا!

رومانی لب و لہجے سے عاری، سماجی حقیقت سے آنکھیں ملانے کی کوشش ان مصرعوں میں دکھائی دیتی ہے۔ لیکن لوک گیتوں کی لے اور بندش کے لوازمات سے بھر پور مہانور کی شاعری کا اس طرح کی سماجی حقیقت کے تفصیلی اظہار کے موافق ہونا مشکل ہی تھا۔ اس لئے ذاتیات پر منحصر رومانی شاعری کے لسانیاتی انحلا کی ان جزویاتی حدوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے آج کے گاؤں کی زندگی کے اجتماعی غم ناک احساس کو ظاہر کرنے کے لیے کہانی اور ناول جیسے حقیقت پسندانہ ادبی اصناف کی طرف ان کا متوجہ ہونا لازمی تھا۔ گاندھاری ناول اور 'گاوا تلیا گوشٹی' (1981ء) افسانوی مجموعے میں مہانور نے کوشش کی ہے کہ آج کے تبدیل شدہ دیہات کو پہچانیں اور اس کی عکاسی کریں۔

اکثر یہ بھی نظر آتا ہے کہ بنیادی طور پر رومانی شاعر جب سماجی حقیقت کی آگ کو محسوس کرتا ہے تو وہ غصے میں مضحکہ خیز شاعری تخلیق کرنے کے ساتھ تحقیق و تفتیش کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ اسی متوقع رجحان کی جزویاتی حدوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہانی اور ناول جیسی نسبتاً حقیقت آمیز ادبی صنف کو مہانور اپناتے ہیں۔ یہ سچائی ان کی ادبی شخصیت کو پرکھنے میں یقینی طور پر اہم ہوتی ہے۔

مراٹھی دیہی ادب کی روایت کو دھیان میں رکھیں تو دو حاوی رجحان نمایاں نظر آتے ہیں: دور آزادی سے پہلے کے قلمکار اور آزادی کے بعد کے قلمکار۔ وینکٹیش ماڈگولکر کے بعد دیہی ادب کے مصنفوں کے یہاں آزادی پسند دور کی دیہاتی زندگی میں آئی تبدیلی کی تلاش کی باشعور کوشش نظر آتی ہے۔ گاندھاری سے قبل آر۔ آر۔ بوراڈے کا 'پاچولا' اور آنند یادو کا 'گوتا ولا' دو ایسے ناول ہیں جو بدلتے ہوئے دیہاتی ادب کی اہم ترین مثال ہیں۔ نئی صنعتی ترقی سے بھر پور شہری و تمدنی زندگی کی بڑھتی ہوئی لہر سے دیہاتی زندگی کا روایتی زراعتی روپ پوری طرح بگڑ کر کیسے تہس نہس ہو جاتا ہے اس کی تصویر کشی ان دونوں ناولوں میں کی گئی ہے۔ 'گوتا ولا' کا نار با اور 'پاچولا' کی پاروتی ایسے ہی تجرباتی غم انگیز احساس کے مظاہرے کو باریکی سے مرتسم کراتے ہیں۔ ابتدائی زراعتی انتظامات میں کسان اوزار پر منحصر نہیں تھا۔ قدرت اور جانور کے ساتھ جذباتی توازن قائم کیے ہوئے تھا۔ اور قدیم دیہاتی مالی نظام میں مقابلہ کے لیے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے آدمی خاندانی اور نفسیاتی نقطہ نظر سے زیادہ محفوظ تھا۔ ان ناولوں میں زندگی کی عکاسی کی بنیاد کچھ اس طرح کے بیتے ہوئے زمانے کے تئیں پیار اور مستقبل کے انکار پر منحصر ہے۔

مہانور کا ’گاندھاری‘ مندرجہ بالا ناولوں سے الگ ہے۔ بدلتی ہوئی دیہاتی زندگی میں انسان کی خوفزدگی کی عکاسی کرنا ہی اس کا مقصد نہیں ہے۔ ناہی یہ ناول سماجی تبدیلی کے ضابطے کی ابتدا ہونے سے قبل دیہاتی زندگی کیسے خودکفیل، نفسیاتی طور پر زیادہ محفوظ اور پرامن تھی، اس کی تفصیل پیش کرتا ہے اور گذشتہ حشمت کا عکاس بننا چاہتا ہے، اسی لیے موجودہ سماجی تبدیلی میں مستقبل کے چیلنج سے اس ناول میں انکار نہیں کیا گیا ہے۔ ’گاندھاری‘ کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں مختلف انفرادی رشتوں کے ڈھانچے کے اندر سماجی، سیاسی اور معاشی تبدیلی کے حوالے کو تلاش کرتے ہوئے گاؤں کی بدلتی ہوئی زندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ہم عصر دیہاتی واقعے کے حوالے سے ’گاندھاری‘ میں منظور شدہ اہم تمہید نسبتاً آزاد شکل میں ہے۔

’گاندھاری‘ مراٹھ واڑہ کے اجنتا بلاک کی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ نظام کی حکومت میں حیدرآباد ریاست کے زوال کے دن ہیں، یعنی رضا کاروں پر جب پولس کی کارروائی کی جاتی ہے تب سے اس ناول کی ابتدا ہوتی ہے۔ صدیوں سے آپسی رشتوں سے جڑا ہوا یہ گاؤں رضا کاروں کی کارروائیوں سے تہس نہس ہو جاتا ہے۔ سرکش رضا کار سیٹھ چاندمل کے مکان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ جے سنگھ پہلوان کا قتل کر ڈالتے ہیں۔ جو ہاتھ آئے وہ دولت لوٹ لیتے ہیں۔ پورا گاؤں گویا ویران ہو جاتا ہے۔

کچھ مدت بعد گاؤں والے دھیرے دھیرے لوٹ آتے ہیں۔ اتنے بڑے حادثے کے باوجود سیاسی آزادی کے حاصل ہو جانے کے سبب ان کے دل میں امید کا کونپل اُگا ہوا ہے۔ رضا کاروں کے مظالم کو ایک حادثہ مان کر اجتماعی یگانگت کے خیال سے وہ سب پھر ایک ساتھ ہو جاتے ہیں۔ نئے زمانے کے چیلنج کو فراخدلی سے قبول کرتے ہوئے امید کے ساتھ جینے کا عزم کرتے ہیں۔ محنت سے کھیتی کو ہرا بھرا کر کے گاؤں کو خوش حال بنا دیتے ہیں۔ عدالت، کچہری کو ٹالنے کی غرض سے اپنے آپسی جھگڑوں کو آپس میں سلجھاتے ہیں۔ ’نام ہفتہ، تیرتھ یاترا‘ مذہبی اذکار، گاؤں بھوج یعنی سب گاؤں والوں کا ایک ساتھ مل کر کھانا کھانا وغیرہ اجتماعی پروگرام کی زندگی پہلے کی طرح بے روک ٹوک سے شروع ہو جاتی ہے۔ بنیادی تعلقات پر منحصر، مہذب، بھولے بھالے، امید بھرے گاؤں کا یہ نقشہ ہے۔

لیکن رضا کاروں کے مظالم اور بے رحمی کی ضرب سے خود کو نئے حوصلے کے ساتھ سنبھالنے کی کوشش کرنے والا یہ گاؤں سماجی تبدیلی کی کارروائی میں پھنس کر روایتی زندگی کے ڈھانچے سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ تبدیلی کی کارروائی کی اس نئی سمت کا اشارہ جگدیو کے کردار سے ملتا ہے جو

گاندھاری، میں نووارد ہے۔ مگر وہاں بسنے کی چاہ رکھتا ہے۔ آزادی حاصل ہونے کے بعد جمہوریت کی وجہ سے ملک کی صورت بدلنے لگی۔ ریاست کا اختیار کلی پنچایت کی شکل میں گاؤں تک آ پہنچا۔ انجمن امداد باہمی، کاشتکاری سے متعلق نئی اسکیم وغیرہ سے گاؤں کی زندگی کے معنی و مقصد اور اقتصادی حالت بدلنے لگی۔ اس بدلاؤ کے پس منظر میں اقتدار اہم ہوتا ہے۔ اس خیال کے تحت اسے ہتھیانے کے لیے جگدیو محتاط اور چالاک قدم بڑھانے لگتا ہے اور راج مل کی موت کے بعد جگدیو کی چالباز سیاست کے لیے میدان صاف ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے بھولے پن اور لاعلمی، فائدہ اٹھانا، مقصد براری کے لئے دوسروں کو حصہ دار اور ساتھی بنا کر اپنی طاقت بڑھانا اور گاؤں کی پوری طاقت اپنے ہاتھ میں لے لینا اس کا سب سے بڑا خواب بن جاتا ہے۔ بالآخر گاؤں میں گروہ بازی کا سہارا لے کر وہ گرام پنچایت کا انتخاب جیت لیتا ہے اور سرپنچ بن جاتا ہے۔ اقتدار کی وجہ سے اس کو بدعنوانی کے زیادہ مواقع ملتے ہیں — جب گاؤں میں قحط پڑتا ہے تو قرض کی تقسیم کنویں بنوانے وغیرہ کے کاموں کے لیے وہ لوگوں سے بلا جھجک رقم وصول کرتا ہے — آزادی کے حصول کے بعد ہندوستان میں جمہوریت کا تجربہ سماج کے دلت اور مظلوم لوگوں تک پہنچنے کے لیے شروع کیا گیا تھا۔ اس کے پیچھے فلاح بخش ریاست کا خواب تھا۔ لیکن بدعنوانی کے سہارے اقتدار حاصل کرنے والی جو ایک نسل ہر طرف پیدا ہو گئی اس نے فلاح بخش ریاست کے خواب کو چکنا چور کر دیا۔ جگدیو اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے روپ میں مہانور نے بدلتے ہوئے گاؤں کی ایسی ہی نسل کی تصویر کھینچی ہے۔ اس نسل کے کارناموں سے جینے کی اہمیت ہی بدل گئی اور دوسری کسی بات کی بہ نسبت پیسہ، اقتدار، بے ایمانی اور بدکرداری کی وجہ سے قدیم زمانے سے چلی آ رہی عوام کی بنیاد متزلزل ہو گئی۔

لال جی، ساوتری، جے ونتا، ہوسا اور بھاگوت جیسے کردار جگدیو اور اس کے جیسے لوگوں کی نسل سے مکمل طور پر مختلف انداز میں پیش ہوئے ہیں۔ خاص طور پر لال جی، ساوتری، ہوسا اور بھاگوت کے کرداروں کی اہمیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کے ذاتی طرز عمل کی قدروں کی بصیرت اپنے تئیں بے حد صاف اور واضح ہے۔ اخلاقی قدروں کی اس شعوری کوشش سے ان کے عمل میں نڈر، کھلاپن دکھائی دیتا ہے۔ جگدیو کی ناشائستگی اور ریاکاری پر لال جی، ساوتری، ہوسا اور بھاگوت کی اخلاقی قدروں کی پہچان زیادہ اہم ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے ان کرداروں کے اندرونی شخصی تعلقات کا ایک الگ ہی آسمان بن جاتا ہے۔

لال جی' بھاگوت کا گاؤں میں اکیلا دوست ہے۔ لال جی کی اچھی کھیتی باڑی ہے۔ بھاگوت کی وجہ سے وہ جوئے جیسی بری لت سے چھٹکارا پاتا ہے۔ مقبول، فراخدل، فیاض اور صاف

طبیعت کے لال جی کی گاؤں کے غنڈوں پر اچھی دھاک ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ لال جی اول تو ایک فنکار ہے— طبلہ بجانے میں ماہر ہے— وہ موسیقی کی دنیا میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایک بار تماشے میں شوقیہ وہ گلاب کے رقص میں طبلے کی سنگت کرتا ہے اور اسی لمحہ سے دونوں ایک دوسرے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پنجابی ماں اور گجراتی باپ کی اولاد گلاب لاوارث زندگی جی چکی ہے۔ اپنے دھندے سے اوبی ہوئی ہے— لال جی کی فنکارانہ شخصیت سے متاثر ہو کر وہ اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ اور پھر دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ ساوتری کا نیا نام دے کر لال جی اسے گاندھاری لے آتا ہے۔ لیکن بھاگوت کے علاوہ کوئی بھی اسے قبول نہیں کرتا— مہانور نے لال جی اور ساوتری کی شادی شدہ زندگی کی تصویر کشی کر کے گاؤں میں ذات پات پر مبنی ہندو شادی بیاہ کی اذیت ناک رسموں کو اجاگر کیا ہے۔ اس سختی کی وجہ سے ہی لال جی اور ساوتری کو قبول نہیں کیا جاتا ہے۔ رقص کے فن کے لیے ساوتری نے اپنی زندگی قربان کر دی تھی لیکن اب اس فن سے وہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ روایت کے اندھے گاؤں میں اس کے لیے ناچنا ممکن نہیں رہا ہے۔ لال جی اور ساوتری کے ذریعہ مہانور نے غریب گاؤں کی زندگی میں فنکار کے جذبات واحساس کی گھٹن کو بڑے متاثر کن ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ گاندھاری کے لوگ مکار اور بدعنوان جگدیو کو برداشت کر لیتے ہیں مگر نڈر، آزاد فطرت اور صاف زندگی جینے والے لال جی اور ساوتری کو نہیں برداشت کر پاتے۔ یہ المیہ ہماری سماجی اخلاقی زندگی کے بارے میں بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔

تنگ نظر اصولوں کے روایتی سماج میں آدمی کی فطری تحریک کی گھٹن کو دو نسوانی کرداروں جے ونتا اور ہوسا کے ذریعہ دو مختلف شکلوں میں دکھایا گیا ہے۔ جے ونتا جسے شوہر نے چھوڑ دیا ہے۔ اپنی ماں کے اکیلے پن کی وجہ سے دوسری شادی نہیں کر پاتی۔ کینیڈی کی بیوی نے شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی کی تو گالیاں دینے والی اس کی بوڑھی ماں اس کے دل پر مسلسل سیتا ساوتری کے دقیانوسی آدرشوں کو تھوپنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اس لیے جے ونتا کو اسی ایک امید پر کہ اس کا شوہر کبھی نہ کبھی لوٹ آئے گا اکیلے پن کی زندگی گذارنی پڑتی ہے۔ اس اکیلے پن میں اس کی جوانی برباد ہو جاتی ہے۔ اپنی امنڈتی ہوئی شہوانی خواہشات پر قابو پانا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ بھاگوت کی ہمدردی کے علاوہ اس کے حصے میں کہیں کچھ نہیں ہوتا۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود بیوہ کی زندگی گذارنے پر مجبور جے ونتا اور لال جی وساوتری کے شادی شدہ زندگی کے ذریعہ مہانور نے ایک اہم بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شہر کے بڑھتے اثرات کے نتیجے میں گاؤں کی زندگی میں سماجی تبدیلی کی ابتدا ہوئی تو اس لہر میں ظاہری طور پر بہت بڑا بدلاؤ آ گیا۔ لیکن اس بدلاؤ میں

جینے والے لوگوں کی قدریں اس حد تک جدید نہیں بن پائیں بلکہ پہلی جیسی روایت پسند رہ گئیں۔ زیادہ تر اہم تبدیلی تعلیمی، حکومتی اور اقتصادی طور سے وابستہ سماجی انجمنوں میں ہوئی مگر خاندان اور بیاہ جیسے بنیادی رشتوں پر منحصر اداروں میں اقدار کی تبدیلی اس حد تک نہیں ہو پائی۔ لال جی، ساوتری اور جے ونتا کی زندگی کو تکلیف دہ اور تنہائی پسند بنا دینے میں تبدیلی اور قدامت کے بیچ کی تہذیبی وثقافتی دوری بہت حد تک ذمہ دار ہے۔

روایتی معاشرہ میں سماجی انجمنوں کے تحت شخص کی فطری تحریک اور اس کے لیے لازمی خود مختاری قائم کیا جانا گاندھاری ناول کا اہم مقصد و مدعا ہے۔ ہوسا اور وٹھل مہاراج کے جنسی تعلقات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ بیوہ ہوسا کا ناجائز تعلق اپنی کھیتی کی دیکھ بھال کرنے والے نوکر کڈوبا کے ساتھ ہے— ایک سال آلندی کے وٹھل مہاراج تشریف لاتے ہیں۔ گیانیشوری پر روحانی پروچن کرنے والے گیانی پرشوتم کا بھاگوت بڑی عزت کرتا ہے۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ وٹھل مہاراج موہ مایا کے شکار ہو جاتے ہیں۔ سیٹھ ساگرمل کی بہو اور پھر ہوسا کے ساتھ ان کا تعلق ہو جاتا ہے۔ انجام کار ہوسا کے پاؤں بھاری ہو جاتے ہیں۔ بے آبرو ہونے کے ڈر سے مہاراج کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ لیکن ہوسا راز نہ کھولنے کا ان سے وعدہ کرتی ہے اور عزم کے ساتھ نبھاتی ہے۔ مہاراج کے تعلق سے ٹھہرا حمل وہ کڈوبا کی مدد سے گرا دیتی ہے۔ مگر ایک بار جب کڈوبا شراب کے نشے میں سچائی بول دینا چاہتا ہے تو اسے اینڈرن پلا کر مار ڈالتی ہے۔ اس کے بعد بھی وہ مہاراج کے ساتھ تعلق بنائے رکھتی ہے کیونکہ مہاراج اس کے پیچھے دیوانے ہو چکے ہیں۔ ایک بار پھر ان کی وجہ سے اسے حمل رہ جاتا ہے۔ آخر اپنا کھیت مندر کے لیے وقف کر کے وہ مہاراج کے ساتھ گاؤں چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔

جے ونتا، مہاراج اور ہوسا تینوں کرداروں کے ذریعہ مہانور نے انسان کے فطری جذبات کی تصویر کشی کی ہے۔ لیکن ان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جے ونتا کی ہوس ہمیشہ دبی رہتی ہے۔ جنس زیادہ سے زیادہ جنسی کھیل کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ مہاراج کی ہوسنا کیوں میں ان کے دھرم سے جڑے رہنے کی وجہ سے احساس جرم آجاتا ہے۔ انجام کار ان کے یہاں دوہری زندگی جینے کی مجبوری دکھائی دیتی ہے۔ ہوسا فطری طلب سے مجبور ہو کر ڈھٹائی سے کڈوبا کو رکھ لیتی ہے۔ پھر مہاراج کے ساتھ تعلق قائم کرتی ہے اور اس تعلق کو نبھانے کے لیے کڈوبا کو مار کر مہاراج کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ قانونی طور پر اور سماجی واخلاقی لحاظ سے ان باتوں میں نقص ہے۔ پھر بھی ہوسا باغیانہ طور پر اپنی زندگی کو اپنی حد تک پرکھ لینے میں قادر اور اخلاقی طور پر جرأت مند دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرف فطری

جنسی طلب اور تشنہ آرزوؤں میں جھلس رہی جے ونتا کی تنہا زندگی اور مہاراج کا احساس جرم ہے تو دوسری طرف بے باکی سے فطری طلب کا مقابلہ کرنے والی ہوسا کی زندگی کا اخلاقی صبر و استقلال ہے— اس دوہرے پن کی تصویر کشی مہانور نے کی ہے۔

ناول کے پلاٹ کا مرکز دھیرے دھیرے بھاگوت کی سمت سرکتا جاتا ہے۔ ناول کے بیانیہ میں بھی بھاگوت کا ہی نظریہ خصوصیت سے منعکس ہوتا ہے۔ دیگر بھی کرداروں کی بہ نسبت بھاگوت کی شخصیت مختلف ہے۔ راگھو پاٹل کا یہ اکلوتا بیٹا بڑا پیارا' خوش اخلاق اور کھیتوں میں محنت کرکے اپنا دل بہلانے والا ہے۔ اسے اپنی گرہستی کا ختم نہ ہونے والا دُکھ تو ہے ہی مگر اس کے ساتھ ہی لال جی، ساوتری، جے ونتا اور ہوسا کا دکھ بھی ہے اور اسی طرح گاؤں کی بے راہ روزندگی کا سماجی دُکھ بھی ہے۔ دُکھ کے مختلف رویّوں کو بھاگوت دیکھتا ہے۔ دوسروں کو سمجھنے کا شعور اس میں ہے۔ جے ونتا کی ہوسناک جوانی اور لال جی کے فنکارمن کو وہ اپنے طور پر سمجھتا اور محسوس کرتا ہے۔ روایتی اخلاقی قدروں کے ذکر میں شخصی خواہش کی آزادی کا دم گھٹ جاتا ہے۔ پھر بھی نئے پن کی تلاش میں گاؤں کے اندر جو بدلاؤ آرہا ہے اس میں گذرے ہوئے زمانے کی کشش قطعی نہیں ہے، بلکہ اسے دکھ ہے کہ بدلتے ماحول میں سرکار کو لازمی مدد دے کر غنڈہ گردی کی مخالفت کرنے کی اخلاقی ہمت لوگوں میں نہیں ہے:

''بال بچّے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ دیش گڑھے میں گر گیا تو بھی انہیں کچھ لینا دینا نہیں۔ ایسا سوچنے والے سب ہی گھاگ اپنے گاؤں میں رہتے ہیں۔ انہیں کیا کہا جا سکتا ہے، ان کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے بتائیے؟''

مندرجہ بالا جملے میں بھاگوت کے سماجی کرب کا احساس یقینی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی شخصیت کی کچھ حدیں بھی واضح ہو جاتی ہیں۔ گہری سمجھ، اخلاق، رواداری، دوسروں کو سمجھ لینے کی صلاحیت جیسی خصوصیات کے باوجود اس کے پاس مستحکم ارادے کی قوت نہیں ہے۔ انجام کار سماجی کرب کے حوالے سے اس کی حالت متزلزل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی توضیح جذباتیت میں ہوتی ہے۔ لال جی کو یقین ہے کہ گاؤں کی خراب حالت کو بہتر بنانے کی صلاحیت صرف بھاگوت میں ہے۔ اسی لئے گاؤں کے معاملات میں دلچسپی لینے کا مشورہ وہ اسے دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں بھاگوت کا جواب اس کی متزلزل کیفیت اور من کی جذباتیت کو ظاہر کرنا۔ بھاگوت کہتا ہے:

''گھر گرہستی سے پریشان آدمی ہوں میں۔ جتنا نہیں چاہیے اتنا من کا کچا پن ہے۔ آگ سہہ نہیں سکتا۔ جسے گھر گرہستی کی آگ جھلساتی ہے وہ گاؤں کے ہزار ہا جھنجھٹوں سے کیسے نجات پائے گا.......اپنے دکھ کو خود ہی بجھائیے یہاں کھیتی باڑی کے ہرے بھرے سایے میں''۔

بھاگوت کے فن کی متزلزل کیفیت اور اس کی حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت کا اظہار ایک طرح کی خود مرکزیت بن جاتا ہے۔ ''اپنے دکھ کو کھیتی باڑی کے ہرے بھرے سائے میں بجھائیے'' کہنے والا بھاگوت ناول کے اختتام میں اپنی حاملہ بیوی گنگا سے کہتا ہے کہ گاؤں کے وہی سب جھمیلے ہیں، بار بار وہی باتیں کرنا، ان کا مقابلہ کرنا، مشکل ہو گیا ہے — اور پھر اپنی ہری بھری کھیتی کے، چھوٹی سی گھر گرہستی کے اور جلد ہی آنے والے بچہ کے سپنوں میں کھو جاتا ہے:

''یہاں پیدا ہوئے لوگوں کی الٹی نبض، یہاں پیدا ہو کر بھی میں ٹھیک طرح سے جانچ نہیں سکا۔'' کہنے والے بھاگوت کی شخصیت میں سماجی حقیقت کی تلخی کا ہلکا سایہ پہلے سے ہی موجود ہے۔ ناول کے آخر میں جب اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کی لہلہاتی ہوئی فصل کا غنڈوں نے ستیاناس کر دیا ہے تب اس کے پاس صرف حیرت رہ جاتی ہے۔

گاندھاری کی سماجی حقیقت اور ہیرو کے خود پسند میلان کے بیچ جو تسخر ہے اس کی وجہ سے ناول کے مقصد و مدعا اور مفہوم و منشا کو وسیع آسمان نہیں مل پایا۔ مثال کے طور پر ناول کے آخر میں ہندو سماج کے نچلے طبقے کا آدمی توتیا مانگ' جگدیو کے اقتدار کی پیاس سے ادب کر اور باغی بن کر اسے چیلنج کرتا ہے:

''میں دبنے والا آدمی نہیں ہوں۔ مجھے کیا کسی کا لینا دینا۔ اس گاؤں سے دوسرے گاؤں جا کر روٹی کے ٹکڑے پا جاؤں گا۔''

یہ جملہ بہت ہی اہم ہے — لیکن مہانور اس اہم ترین مقصد کے ذریعہ مختلف قدروں کو ضبط تحریر میں نہیں لائے اس لیے یہ موضوع ایک عارضی منظر بن کر رہ جاتا ہے۔ بھاگوت کی جذباتی، فیصلہ کرنے کی قوت سے محروم اور خود پسند شخصیت ہونا دراصل ناول کا مرکزی کردار ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ کہنا ہوگا کہ سماجی اقدار اور ہیرو کے خود پسندانہ رجحان کے بیچ جو بے خبری ہے وہ بالآخر شاعر مہانور اور ناول نگار مہانور کے درمیان کے تناؤ کا ہی تغیر ہے۔

چندر شیکھر جہاگیردار

1

گاندھاری — چھوٹی سی بستی— مہابھارت کی رانی گاندھاری جیسی اس کی قسمت— رانی مگر بدنصیب۔

نظام سے نجات پانے کے لیے آخری جنگ میں کتنے ہی لوگ شامل ہو گئے۔ آزادی پسندوں نے جان کی بازی لگا دی۔

بالآخر آزادی حاصل ہو گئی۔ کچھ آبادیاں بدقسمت ہوں گی۔ گاندھاری جیسی، جن کی تمام عزت کنارے پر لٹکتی رہ گئی۔

تقریباً سبھی کوششوں کے باوجود نظام کا جبر بھگتنا پڑا۔ اور بعد کے زمانے میں ان ردعمل کو بھی جنھیں اس کے آنچل نے سہارا دیا تھا۔ اس کی مملکت کی عشرت وخوشی اور رنج وغم آنکھوں کے ہوتے ہوئے دیکھا نہیں جاسکتا۔

1948ء— حیدر آباد پولیس ایکشن —نظام حکومت کے بجھتے ہوئے دنوں کی کہانی— گاؤں میں ہر طرف لوگوں کے چہرے کالے سیاہ پڑے ہوئے— پریشان— خوف زدہ، بے بھروسے کہ اگلے لمحہ کیا ہو، ہر روز کچھ نہ کچھ سنائی دیتا۔ آنکھوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ پرسوں پربھنی کے پاس تین گاؤں لوٹ لیے گئے۔ آگ زنی ہوئی۔ رضا کاروں نے بڑی افراتفری مچا رکھی ہے۔ ہندوؤں کی نوجوان عورتوں کو بھگا لے گئے ہیں........ان کو ننگا کر کے ذلیل کیا گیا........کہتے ہیں، قریب ہی فردا پور میں نوجوانوں کو اذیت دے کر ختم کر دیا گیا........اجنتا کے احمد غوث نے ایک نیا اکھاڑہ بنوایا ہے........گاؤں گاؤں کی لوٹی ہوئی دولت اور لوٹی ہوئی عورتیں اس میں بند رکھنے لگا ہے— عجیب عجیب باتیں سننے کو ملتی تھیں۔

کہتے ہیں، حیدر آباد میں کسی نے سرعام نظام سرکار پر بم پھینک دیا۔ ہر طرف نظام کی ہی حکومت ہے۔ اب خون کی ندیاں بہیں گی۔

ہر روز ایسی نئی باتیں سننے میں آتی تھیں۔ چاروں طرف گھبراہٹ تھی۔ کوئی کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ کوئی اہم بات کرنی بھی ہوتی تو خاموشی سے تنہائی میں — گاؤں میں مسلمانوں کا محلہ صرف پندرہ بیس گھروں پر مشتمل تھا۔ پھر بھی گاؤں کے تین سو گھروں کے

لوگ ان سے ڈرتے تھے۔ گاؤں کے مدرسے کا ہیڈ ماسٹر حضرت، کسٹم چوکی کا افسر محمد علی اور اس کا ایک جوان، گاؤں کی گلی میں دن دہاڑے جان بوجھ کر ڈنڈا لیے اکڑ اکڑ کر گھوما کرتے۔ لوگ ان کو جھک جھک کر سلام کیا کرتے۔ عورتیں گھروں کے اندر چھپ کر بیٹھ جاتیں۔

اساڑھ مہینے کا دن تھا۔ بوائی ہو چکی تھی۔ ہر چہار طرف فصل قرینے سے اُگ آئی تھی۔ مگر کوئی بھی انگر بینے یا گوڑنے کے لیے جانے کی نہیں سوچ رہا تھا۔ جس کا کھیت نزدیک ہے وہی جاتا ہوگا۔ عورتیں تو گھر کے باہر نکلتی ہی نہیں تھیں۔ کسی کا دھیان کسی بات میں نہیں تھا۔ دن کسی طرح گذر جاتا تھا۔ رات گذارنا مشکل ہوتا تھا۔ گاؤں کے لوگوں نے چاروں طرف چھتوں پر جگہ جگہ گشتی پہرے دار بیٹھا رکھے تھے جو رات بھر جاگتے رہتے۔ لالٹین ہلاتے ہوئے وہ پکارا کرے۔

"آل وِل......."۔

"چاروں کونے برابر ہیں"۔

آل وِل کی پکار پوری ہونے سے پہلے ہی بیوی بچے اپنے آدمیوں سے چپک جاتے تھے۔ رات بے رات جگہ جگہ اُسارے پر برآمدے میں لوگ چپ چاپ آملتے۔ کچھ سرگوشی ہوتی۔ لٹھ، پتھر، کلہاڑی جیسے ہتھیار اکٹھا کر لیے جاتے۔ روز نئی خبریں کہیں نہ کہیں سے آتی رہتیں۔

عورتوں کا چکی پیسنا بند ہو چکا تھا اور وہ آٹا جمع کرنے لگی تھیں۔ کہیں لیپنا پوتنا بھی چل رہا تھا۔ ایسے ہی وقت علی الصبح آٹھ دس کھادی پوش آدمی گاؤں میں آگئے۔ لوگوں کو اطمینان دلایا۔ البتہ بزرگوں کے کانوں میں کہا کہ جس حالت میں ہو گاؤں چھوڑ کر نکل بھاگو۔ جان بچاؤ۔ آج گاؤں لٹ جانے والا ہے۔ فردا پور اور اجنتا کی طرف سے ہتھیاروں سے لیس رضا کار گھوڑوں پر آرہے ہیں۔ فوراً بھاگ جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ بیوی بچوں کو پہلے ہی روانہ کر دو۔ جلد سے جلد سرحد پار کر جاؤ......خاندیش کی سرحد تک پہنچ جانے پر تم لوگوں کو سہارا مل جائے گا۔ جیسے بھی ہو نکل پڑو۔

اور وہ کھادی پوش لوگ ابھی گئے بھی نہیں تھے اجنتا کی پہاڑی کی طرف سے بندوق چلنے کی دو آوازیں آئیں۔ دو چار کھیتوں کی دوری پر 'پیر بلنڈی' کے ٹیلے پر گھڑ سوار رضا کار نظر آنے لگے۔ بندوق کی مسلسل آوازیں گونجنے لگیں۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سوئے ہوئے بچوں کو کھینچتے ہوئے اور عورتوں کو گھیرتے ہوئے لوگ بھاگنے لگے۔ برسوں تنکا تنکا جوڑ کر چڑیا

کے گھونسلے کی طرح جس گرہستی کو بسایا تھا اسے کھلے کواڑوں چھوڑ کر لوگ بھاگنے لگے، جان کو ہتھیلی پر لے کر— کسی چیز سے پیار کی خواہش نہیں رہی۔ نہ کوئی امید ہی رہی صرف جان بچانے کی جلدی تھی۔ گاؤں کے تین طرف خاندیش کی سرحد تھی۔ پھر بھی میل دو میل کی دوری تو تھی ہی۔ بھاگو تو کتنا؟ حاملہ عورتوں کی جان اٹکنے لگی۔ کوئی راستے میں ہی گر پڑی۔ کوئی جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ بقیہ بھاگتی رہیں۔ گاؤں کی سمت سے چیخ پکار اور بندوقوں کی آوازیں سنائی دیتیں اور لوگ گوجر کی طرح بھاگنے لگتے۔ کانٹے بھری جھاڑیوں میں، ندی کی دھاریں میں بے سمت، اندھوں کی طرح— کچھ لوگ رام رام کرتے پہنچ گئے۔ کچھ درمیان میں ہی روپوش ہو گئے۔ کچھ گاؤں میں ہی اٹکے رہ گئے۔ گھر کے اندھیرے گوشے میں جان چھپائے بیٹھے رہے۔ ایکدم خاموش— دیکھ کر بھی وہ چپ تھے کہ الماریاں توڑی جارہی ہیں۔ سونا چاندی، روپیہ پیسہ، مال اسباب لوٹا جارہا ہے۔ آنکھیں بند تھیں۔ بدن پر خوف کی کپکپاہٹ تھی۔ خونخوار رضا کاروں کی آنکھوں کے دیدے پورے گھر میں گھومتے رہے، آواز کرتے رہے۔ لوٹا ہوا مال گلی میں کھڑی بیل گاڑیوں میں بھرا جاتا رہا۔ کچھ رضا کار گھروں کی چھتوں پر بھی دکھائی دیئے کچھ گھوڑوں پر سوار۔ کچھ گھروں کے دروازے توڑ کر مال اسباب ڈھونڈتے ہوئے۔ کچھ بھاگتے لوگوں کا پیچھا کرتے ہوئے— ان گھروں کو خاص نگرانی میں لوٹا جاتا رہا جن کی نشاندہی گاؤں کے مدرسہ کے حضرت اور کسٹم افسر محمد علی نے کی تھی۔ چاندمل سیٹھ کی دوکان کی لوٹ اور گھر کا سونا تلاش کرنے کے بعد رضا کار جب باہر نکل رہے تھے تو یکایک گھر کے اندر آواز گونجی۔ رضا کار چونک پڑے۔ دوبارہ گھر کی تلاشی شروع ہوئی تب چوڑیاں کھنک اٹھیں۔ کونے کونے میں نگاہیں دوڑنے لگیں۔ اور بندوق کے ایک دھماکے کے ساتھ نہانے کے حوض سے بوڑھی بھیرا بوئے روتے ہوئے سامنے آگئی۔ برتن مانجھنے والی تقریباً گونگی۔ پگلی سی۔ اسے پکڑا گیا تو اور زور زور سے رونے لگی۔

''ارے جانے دو۔ یہ پگلی ہے۔ برتن مانجھنے والی۔ مارواڑی تو سب بھاگ گئے''۔

حضرت نے بتایا وہ لوگ چلے گئے۔ بھیرا بوئے آہستہ سے کواڑ بند کر کے پچھواڑے آگئی۔ چاند کی بیوی اور بہو کے بدن پر کچھ اور پوال 'گھاس' اُپلے اور پھٹی گدڑیاں ڈال دی۔ پھر پانی کی ٹنکی میں جا کر بیٹھ گئی۔

جے سنگھ پہلوان یکایک نشے کی حالت میں سامنے آگیا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ پانچ چھ رضا کاروں نے اسے گھیرا تو ان کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا۔

"گدھے کی اولاد۔ ایک ایک کر کے آجاؤ...... پھر طاقت دیکھوں میرے یار ......رنڈی بھاگ گئی۔ مجھے چھوڑ کر ...... ابھی یہاں تھی...... بھڑوے وہ کہاں ہے؟ اور بندوق کے ایک ہی جھٹکے سے جے سنگھ نیچے گر گیا۔

"نظام سرکار کی ماں...... میں...... میں...... خود......"۔

ایک نے اشارہ کیا۔ باقی لوگ جے سنگھ کو اُٹھا کر گاؤں کے کنارے کروڑگری کے ٹول ناکے پر لے گئے۔ پہلے اس کے کپڑے اتارے گئے، پھر خنجر سے اسے جگایا گیا اور پھر خنجر اس کی دونوں جانگھوں کے بیچ گھونپ دیا گیا۔ جے سنگھ بہت زور سے چیخا۔ خون کی دھار سے پورا چبوترہ سُرخ ہو گیا۔

"ماں کے بوڈل۔ اب کون ہے گدھے کی اولاد"۔

"تم جاؤ۔ اس ہجڑے کا گھر ڈھونڈ نکالو۔ اس کی رنڈی ضرور وہیں ہوگی۔ اسے پکڑ کر اجنتا لے جاؤ اور احمد غوث صاحب کے زنان خانے میں پیش کر دو۔ جلدی کرو"۔

اس کے بعد جے سنگھ کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ ایک کے بعد ایک، دو گولیاں اس کے سینے میں داغ دی گئیں۔ خون سے لت پت اس کے ہاتھ پاؤں اور بدن کے ٹکڑے گاؤں کے باہر بھوانی مندر کے صحن میں ناکے کے جوان کی مدد سے ڈال دیئے گئے۔ ٹول ناکے کے اور ڈاکخانہ کے، پاٹھ شالا کے اور پٹواری کے گھر کے تمام کاغذات جلا دیئے گئے۔ دھن دولت بیل گاڑیوں پر لاد کر گھوڑوں کی ٹاپوں کو بجاتے ہوئے اور بندوق سے آواز پیدا کرتے ہوئے رضاکار اجنتا کی طرف چلے گئے۔

دو تین مہینوں کے بعد ہمت پیدا کر کے رفتہ رفتہ پانچ پانچ، دس دس خاندان گاؤں لوٹنے لگے۔ بکھرا ہوا گاؤں چار مہینوں میں پھر بسنے لگا۔ گاؤں کے مشرق کی طرف بنجاروں کی جو بستی تھی وہ پھر بھی ویران رہی لوگ دو میل دور خاندیش کی سرحد میں بنجاروں کی ایک دوسری بستی کے ساتھ آباد ہو گئے تھے۔ کچھ مارواڑی سیدھے مارواڑ چلے گئے اور لوٹ کر نہیں آئے۔ مسلمانوں کے محلے کا ایک بھی گھر نہیں رہ گیا۔ گاؤں میں جن کی کھیتی باڑی نہیں تھی وہ بھی گاؤں کی طرف لوٹ کر نہیں آئے۔ ٹن کی چھتیں اڑ گئیں۔ دیواریں، چھپر سب برسات میں اکھڑ گئے۔ گلی کوچوں میں اور مکانوں میں بھی گھاس اُگ آئی تھی۔ الماریاں دروازے سب ٹوٹ پھوٹ کر نیست و نابود ہو چکے تھے۔ گاؤں واپس آنے پر کتنا کچھ کرنا پڑا۔ کتنا کچھ برباد ہو گیا تھا۔ سب کی آنکھوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ تمام لوگ بدحواس تھے بات کرتے ہوئے گلا

بھر آتا تھا۔ ایک دوسرے سے مل کر اور روتے گئے۔ واپس آنے پر آج پہلی بار چوپال میں سب اکٹھا ہوئے۔

''ارے بھائی اس طرح کب تک روتے رہیں گے؟— جو ہو گیا سو ہو گیا— اب آگے کی سوچو— مٹی پتھر کو دیکھ کر رونے سے پیٹ تو نہیں بھرنے والا۔ کام میں لگ جانا چاہیے۔ ذرا کھیت پر ہی چل کر بیٹھو۔ وہ اپنے آپ کام بتائے گا اور بیتی ہوئی باتوں کو بھلائے گا۔''

''کمر ہی ٹوٹ گئی ہے میری— کُھلی آنکھوں سے گھر کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا۔ گھر والی نے جان کو جان نہیں سمجھا تھا۔ خون پسینہ ایک کر کے گھر گرہستی بسائی تھی۔ اس نے ماں بھوانی کی منت مانی تھی۔ ماں نے سن لی۔ بچہ دیا۔ اور اب بچے کے ساتھ ماں کو بھی لے گئی۔ بھڑووں کے، ان راکشسوں کے ڈر سے وہ بھاگنے لگی تھی مگر بھاگنا مشکل ہو گیا تھا۔ بھاگتے بھاگتے ہی اس کی زچگی ہو گئی۔ بچے کو دیکھا اور آنکھیں میچ لیں۔ کچھ بھی نہیں بولی۔ اس کی جاتی ہوئی جان نے کیا کہا ہوگا...''

''ایسے پاگل پن سے نہیں چلے گا۔ جو بھی ہوا اسے دماغ سے نکال دو۔ سب ہی کی گرہستی اکھڑ گئی ہے۔ اپنی قسمت کو کتنا بھی روؤ کچھ فائدہ نہیں۔ ان سب باتوں کو بھول کر اب ذرا کھیتی باڑی کی طرف دیکھو کتنی محنت اور بنائی گوڑائی کے بعد بھگوان ہمارے آنچل میں جتنا ڈالتا تھا اس سے کئی گنا زیادہ اس بار ڈال رہا ہے۔ آج کھیتوں میں لکشمی بس گئی ہے۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو۔ سر پکڑ کر کب تک بیٹھے رہو گے؟''۔

''یہ بالکل سچ ہے کاکا۔ صرف بُوائی ہو چکی تھی کہ گاؤں پر حملہ ہو گیا۔ کھڑی فصل چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ جوار، کپاس، مونگ پھلی کی فصل کبھی اتنی نہیں تھی۔ کیسی دمک رہی ہے چکا چک۔ ایسی فصل پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ماں بھوانی اور ہنومان جی کی مہربانی ہے گاؤں پر۔ اب فصل نکلنے کے بعد پورے ایک ہفتے کے لیے ہنومان جی کا ہفتہ منائیں گے۔ ماں بھوانی اور ہنومان جی کو سیندور چڑھا کر نہلائیں گے۔ گاؤں کی ساری بلائیں ٹل جائیں گی''۔

''بھگوان کے نام سے اب کمی نہیں آئے گی۔ سب کچھ بڑھتا ہی جائے گا۔ اسی کی مہربانی سے یہ فصل ہاتھ آئی ہے۔ دوسرے گاؤں والوں کے بھی ہم پر بڑے احسان ہیں۔ ان لوگوں نے آسرا دیا یہی غنیمت ہے۔ رشتہ داروں نے بھی سہارا دیا۔ روپیہ پیسہ دیا۔ ان کا قرض اب سر سے اتر جائے گا۔ اپنی اپنی گھر گرہستی کو دیکھنے کی دیر ہے''۔

''اب تو پتھر اٹھا کر پھینکنے میں بھی ڈر نہیں۔ پھندے سے نکل گئے ہیں ہم — آزاد ہو گئے ہیں۔ اب فصل کو، اناج کو، کروڑ گیری تا کہ، روک تھام، پیسوں کی کٹوتی کچھ بھی نہیں۔ نظام سرکار کا جھنڈا اتر چکا ہے۔ مسلمانوں کی نہ دھاک ہے نہ دہشت۔ کوئی ڈر نہیں ہم خود راجا ہیں۔ یہ دیکھو۔ بنڈی کی نچلی جیب میں، مراٹھ واڑہ، اخبار ہے۔ اب کون ڈرتا ہے؟ اخبار میں سب کچھ چھپ چکا ہے۔ سکھ جوانوں نے، پولس والوں نے، اور ملیٹری نے خوب زور دکھایا بھیا! سارے رضا کار اور ان کا وہ رضوی صاحب، سب کو پکڑ لیا سنتے ہیں، اپنے اس اجنتا کے احمد غوث کو تو موٹر سے باندھا گیا اور — خوب مرمت کی گئی۔ اس کی بیوی بڑی نیک، ستی ساوتری جیسی، اسی نے اس کو پکڑوا کر قبضے میں دے دیا۔ نہیں تو وہ کیا اتنی جلدی مل سکتا تھا؟ سب بیچاری عورتوں کو چھڑوایا گیا۔ پوری تفصیل چھپ کر آئی ہے۔ دیکھو۔ سمجھ گئے۔ بھگوان کا نام لو اور لگ جاؤ کھیتی باڑی کے کام میں''۔

''شری ہنومان مہاراج کی جے''۔ کہہ کر چوپال میں بیٹھے ہوئے سب لوگ دکھ کا جلتا ہوا شعلہ پیٹ میں ڈال کر ہنس پڑے۔ دل کھول کر ہنس پڑے۔ بیڑی ویڑی کا سلسلہ چلا۔ ہنومان جی کے درشن کر کے سب لوگ شادمانی کے ساتھ اپنے اپنے مکان کی طرف لوٹ گئے۔

2

جھالی سندھیا کال پپیا کرتی اللہ اللہ

گت لجیا راتی، بائی مکھلا ڈولا

(ہوگئی شام بیویاں کرتیں اللہ اللہ

قتل کی رات میاً نکالا ہے ڈولا)

مسلمانوں کے زمانے کے ایسے خاص گیت عورتیں اب بھولتی جارہی ہیں۔ چکّی کی گھر گھر میں آج گاندھی مہاتما کی، نئ گرہستی کی، زندہ دلی کی خوشیاں پروئی جانے لگی ہیں۔ دھرتی ماں نے شاد آباد کر دیا ہے۔ دیکھتے دیکھتے دن گذر گئے۔ گھر گرہستی نئے سال کے استقبال میں سجنے لگی۔ لکشمی کا بسیرا ہو گیا۔ دُکھ کی یادیں گلال ابیر کی طرح اڑ گئیں۔ چھوٹا سا گاؤں، دوڈھائی ہزار کی آبادی۔ مگر اتنی پیداوار ہوئی کہ آس پاس کے دس گاؤں میں بانٹ کر بھی بچی رہ گئی۔ چھوٹا ہونے پر بھی گاؤں کے پاس چار ہزار ایکڑ کی ابجاوٗ زمین تھی۔ ہر کوئی اپنی کھیتی باڑی میں، گھر گرہستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ کبھی سوکھا پڑا نہیں کچھ جھگڑا ہو بھی تو آپس میں ایک ساتھ بیٹھ کر اس کا فیصلہ کر لیتے۔ نہ عدالت، نہ کورٹ کچہری۔ پنچ پرمیشور کی بات کو سب مان لیتے تھے — مجھے بیکار زمین دی گئی — کنواں نہیں دیا گیا — اس طرح کی باتیں اب بٹوارے میں بھی کوئی نہیں کرتا تھا۔ ماں بھوانی اور ہنومان جی کی مہربانیوں کا بھروسہ تھا۔ ہنومان جی کے مندر میں ساون کے مہینے میں سات دن اکھنڈ نام ہفتہ بھر تک منایا جانے والا ہنومان جشن ہر سال کا رواج بن گیا۔ اسی میں گاؤں بھوج' بھجن کیرتن' ہوم ہون وغیرہ شروع ہوگئیں۔ بغیر مانگے لوگ اناج، روپے پیسے چندے کی شکل میں دیتے۔ دیوی کا میلہ لگنا بھی شروع ہو گیا۔ نوراتروں میں ہون اور پوجا بڑے جوش سے ہونے لگا۔ روشنی کے مینار میں جگہ جگہ دن رات دیئے روشن رکھے جاتے۔ گاؤں میں 'اکادشی' کو 'کیرتن' جمعرات کو دتا تیرے کی آرتی، پوجا پاٹھ وغیرہ معمول سے ہونے لگا۔ پیٹھن روانہ ہونے والی مکتابائی کی پالکی رات بھر کے لیے ٹھہرائی جانے لگی۔ ناسیک تریمبکیشور جانے والی پالکی کو بھی گاؤں میں ٹھہرایا جانے لگا۔ اُجڑ جانے والی اس بستی میں ہم نے پھر قدم رکھا تب

دیوی دیوتا ہی تو تھے جنھوں نے ہماری طرف دیکھا۔ ان ہی کی مہربانیوں سے موتی مونگے کی برسات ہوتی رہی۔ کبھی اتنی پیداوار نہیں بڑھی تھی۔ لوگوں میں یہ احساس بڑھتا گیا کہ بستی اب سچ مچ بس گئی ہے۔ آس پاس کے گاؤں میں جو دس پانچ خاندان رُکے ہوئے تھے وہ بھی مارواڑ کے تین چار خاندان لوٹ آئے۔ کچھ نئے لوگ بھی محنت مزدوری کرنے کے لیے آگئے۔ گاؤں کی رونق بڑھنے لگی۔

جگدیو، جعفر آباد کا گھربار چھوڑ کر گاؤں میں بسنے کے لیے آگیا تھا اپنی شادی شدہ بھانجی کے پاس۔ جگدیو کی بیوی مرچکی تھی۔ مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نے پھر شادی کیوں نہیں کی۔ بال بچے کوئی تھے نہیں۔ کسی بڑی چوٹ میں بائیں آنکھ پہلے ہی کھو چکا تھا۔ اس کی بھنوؤں کے اوپر پیشانی پر زخم کا بڑا نشان تھا۔ آنکھوں پر ہر وقت کالا چشمہ لگاتا تھا۔ قوی الجثہ تھا اور جھومتے جھامتے چلتا تھا۔ جھک سفید پہناوا۔ بگلے جیسا۔ دھوپ میں یا بارش میں تو ٹھیک ہے مگر جاڑے کے دنوں میں بھی صبح آٹھ بجے چھاتا کھول کر چلتا رہتا۔ ہاتھ میں اخبار لے کر کسی گھر میں یا چبوترے پر دس پانچ لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتا۔ خاص حیدر آبادی ہونے کی وجہہ سے جان بوجھ کر اردو یا ہندی بولا کرتا۔ بیچ میں دو ایک انگریزی لفظ بھی استعمال کر لیتا۔ وہ بھی غلط۔ مراٹھی شاید ہی کبھی بولتا۔ اگر کوئی تعریف کرتا تو کھلانا پلانا سب کر دیتا۔ کہا کرتا کہ اپنی بھانجی کی کھیتی باڑی اتنی اچھی ہے لیکن دیکھنے والا کوئی نہیں اسی لیے میں یہاں آگیا ہوں۔ حیدر آباد کا شتکاری قانون کے تحت میری بھانجی کی بہت ساری زمین چلی گئی ہے۔ اس کو میں واپس دلاؤں گا۔ عدالت میں ہزار چالیس چلوں گا۔ اپنا دور تک امپریشن ہے — یہ بھی کہا کرتا کہ سب قاعدہ قانون تو اپنی جیب میں ہے — اصلی مہوا شراب کی بوتل کی لالچ میں لوگ بیٹھ جاتے اور سن لیتے۔ کبھی کوئی آدمی چالا کی سے پوچھ لیتا ''زمین اگر دوسرے کو دیدی گئی ہے اور قانون اسے نہیں لے سکے تو پھر آپ کیسے واپس لیں گے؟''۔

''تم لوگوں کو اس سلسلے میں جانکاری کم ہے۔ ہم نے دل میں جو آیا سو کیا ہے۔ نوٹوں کے سامنے آج کل ساری دنیا جھکتی ہے۔ تلاٹھی (پٹواری) کو سو روپیہ دیا اور کاغذات ادھر کے ادھر ہو گئے۔ گرداور کو دینے سے وہ خود پھیر بدل کر کے دفتر میں سائن کرا دیتا ہے اور تحصیل دار صاحب کو سب سمجھا دیتا ہے۔ اپنی ضرورت نہیں — فیصلے سے پہلے تحصیل دار صاحب سے گھر جا کر ملنا، بڑی فیس دینا اور فیصلہ خلاص کرانا، اوپر کے کورٹ میں کیس جانے پر اسی طریقے سے فیس بڑھاتے جانا اور وسیلہ ڈھونڈتے جانا۔ زمین کا چکر ہی ایسا ہوتا ہے۔

ہزار دو ہزار روپیوں کے خرچ پر دس ہزار کی کھیتی ملتی ہو تو کاہے کو چھوڑنا۔ تم کو جھوٹ لگے گا۔ لیکن ہم نے ایک نہیں، دو نہیں، ہزاروں بھان گڑے (لفڑے) کیے ہیں۔ تمہارے گاؤں میں بغیر لگان کھیتی بہت دی گئی ہے۔ میں نے خود تلاٹھی کے دفتر میں دیکھا ہے۔ اپنے پاس پیسہ اور کاغذات دو۔ کسی کا بھی کام کر کے بتا دوں گا۔"

رفتہ رفتہ لوگ دستاویزی کاغذات وغیرہ لے کر جگدیو کے پاس آنے لگے۔ کھیتی باڑی کی بناوٹی باتیں کرنے لگے۔ کھیتی میں چھوٹا حصہ مانگنے لگے۔ تحصیل کورٹ میں کیس دائر کرنے لگے۔ کچہری کی چوپال پر سب کو روک کر جگدیو اکیلا صاحب کے پاس جا کر بات کرتا۔

دھیرے دھیرے اس طرح کی باتیں بڑھتی گئیں۔ پتھر سے پتھر ٹکرایا تو چنگاری اڑنے لگی۔ گاؤں میں مدعی اور مدعا علیہ اپنے آپ بنتے گئے۔ دو ایک کو زمینیں واپس بھی مل گئیں۔ لوگوں کے من قابو سے باہر ہونے لگے۔ جانے ان جانے کھیتی باڑی کے بکھیڑے بڑھتے ہی گئے۔ من مٹاؤ بڑھنے لگا تو لوگ اپنے اپنے اڈوں میں گروپ بازی کرنے لگے۔ جھگڑے اور مار پیٹ جیسے معاملے بڑھنے لگے۔ پیسہ پانی کی طرح خرچ ہونے لگا۔

ایک چھوٹی معمولی بنجر زمین کے لیے بہت بڑا حادثہ ہو گیا۔ جگدیو اور سیٹھ راج مل — تحصیل اور کلکٹر — کچہری تک جو تنازعہ دو بار جا پہنچا تھا آخر اس کا فیصلہ عدالت کو کرنا پڑا۔ سات آٹھ سال سے وہ زمین سیٹھ راج مل کے قبضے میں تھی۔ یہ کھیت اس کو باضابطہ طور پر حیدرآباد کاشتکاری قانون کے تحت ملا تھا— عدالت کا حکم نامہ مل جانے پر بھی جگدیو نے اس زمین کو زبردستی جوت لیا اور اپنی ایک سال کی فصل دکھا کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ سیٹھ راج مل نے اوپر کی عدالت میں، تحصیل کورٹ میں دعوٰی دائر کیا۔ جگدیو کے ساتھ جو مدعی تھے، ان کے مخالف جو گاؤں میں کھیتی باڑی کے جھمیلوں سے بڑھ گئے تھے، اب اپنے آپ سیٹھ راج مل کے ساتھ ہو گئے۔ قاعدہ قانون اور کھیتی باڑی کے جھنجھٹ سے چھٹکارے کے لیے ان کو بھی جانکار آدمی کی ضرورت تھی۔ ان لوگوں نے سیٹھ راج مل کا ساتھ دیا۔ اس طرح اوپر کی عدالت نے سیٹھ راج مل کا قبضہ پھر سے قائم کرنے کا فیصلہ دے دیا— سیٹھ راج مل کھیت کا قبضہ لینے کے لیے پولس، پٹواری، گرداور کھیت کے اوزار کے ساتھ نکل پڑا۔ لیکن آٹھ اور کلہاڑی سے لیس جگدیو اور اس کے آدمیوں نے ان سب کو پیٹنا شروع کر دیا۔ راج مل اور اس کے ساتھ کے لوگ بری طرح زخمی ہو گئے۔ ہر طرف شور مچ گیا۔ پولس، پٹواری اور گرداور دس منٹ کے

اندر ہی رفو چکر ہو گئے۔ راج مل کے سر میں زبردست چوٹ آئی تھی۔ اسے جلگاؤں اسپتال بھیج دیا گیا— ماہ دو ماہ اسے اُدھر ہی رہنا پڑا۔ اِدھر گاؤں میں پولس پہنچنامہ ہوا۔ پولس کے بڑے حاکم بھی آئے۔ کسی کو بھروسہ نہیں تھا کہ راج مل کی جان بچ جائے گی۔ پٹواری اور نمبر دار کے ذریعہ ابتدائی پوچھ گچھ کی گئی— جگد یو گاؤں سے فرار ہو چکا تھا۔ اس کے کچھ ہی ساتھی گرفتار ہو سکے۔ عدالت میں بروقت کیس داخل ہو گیا— تب جگد یو سامنے آیا۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو جلوس کی طرح عدالت میں جانا پڑتا تھا— سیٹھ راج مل کے بچنے کی امید نہیں تھی۔ پورے گاؤں میں اور آس پاس کے دیہاتوں میں اس حادثہ کا مسلسل تذکرہ ہوتا رہا— آخر ایک دن عدالت نے آخری فیصلہ سنا دیا۔ جگد یو اور اس کے ساتھیوں کو سزا ہو گئی جس پر اپیل کی اجازت نہیں تھی۔ جگد یو کی اہمیت ختم ہو گئی۔

روپیوں کی کمی کی وجہ سے بچی کھچی عزت لیے جگد یو اور سیٹھ راج مل کچھ دنوں کے لیے ٹھنڈے پڑ گئے۔ مگر اپنے اپنے اڈوں کی نشستوں میں کمینے پن کی، چالبازی کی، بدلہ لینے کی باتیں کوڑھ کی طرح آہستہ آہستہ دماغ میں پھیلتی چلی گئیں— اور پھر یکا یک ناگ کے پھن کی طرح جھمیلے سر اٹھانے لگے۔

''اپنے گاؤں میں گرام پنچایت بننے والی ہے۔ جس کسی کو فارم بھرنا ہو اسے تین تاریخ سے پہلے تحصیل میں ہونا چاہئے۔

توتیا مانگ (مانگ: ایک دلت ذات) نے شام کو گلی کوچوں میں زوردار آواز کے ساتھ منادی کی اور اپنا ڈف بجایا۔

اس دن سے باتوں میں تیزی آگئی کہ یہ کیا نیا جھمیلہ شروع ہو گیا۔ جگد یو اور راج مل کے گھروں کی بیٹھکوں میں خفیہ صلاح مشورے ہونے لگے۔ دن نکلتے تک جاگنا، چائے پانی، کھانا پینا، جاسوسی اور مکر فریب معمول بن گیا۔ کچھ لوگ جان بوجھ کر اس بیٹھک میں جاتے اور فریب بنائے رکھتے۔ کالا کلوٹا توتیا مانگ گاؤں کا پرانا زنخہ تھا۔ ہاتھ کا کالا موٹا لٹھ ٹکا کر وہ جس جگہ رک جاتا گھنٹوں باتیں کرتا، نظام کے زمانے کی کہانیاں سناتا۔ راز کی پوری جانکاری لینے میں توتیا نمبر ایک تھا۔

''مانگا لے بھاکر جوہار جو'' کی آواز کے بعد شام کو جو بھی ساگ روٹی ملتی اسے ٹوکری میں ڈال کر وہ وہیں ڈیوڑھی پر بیٹھ جاتا ہے۔ کسی نے کچھ کہا تب بھی اسے شرم نہیں آتی تھی۔

اب ظاہرا طور پر میں 'مانگ' ہی ہوں۔ شرم کا ہے کی؟ لوگ جوتے سے ماریں تو بھی اپن کو غصہ نہیں آتا۔ اس کا جواب ہوتا۔ چغلخوری تو توتیا کی فطرت میں شامل تھی۔ جھمیلے پیدا کر کے پھر خود اس سے الگ رہنا بھی اس کی عادت تھی۔

گاؤں میں جھگڑے بکھیڑے بڑھنے والے تھے اس لیے بڑھتے ہی گئے بلکہ ان میں باڑھ آگئی۔ سُپڈیا مانگ کہتا ہے کہ توتیا فارغ ہونے کے لیے جاتا ہے تو وہاں بھی بیٹھے بیٹھے چینٹیوں کو آپس میں لڑا دیتا ہے۔ جب سے جگدیو کے ساتھ جھگڑا ہوا تو راج مل توتیا سے ناراض تھا۔ مگر گرام پنچایت کا چناؤ لڑ کر سرپنچ ہونے کی چاہت میں وہ اس کے ساتھ میٹھی باتیں کرنے لگا تھا۔ نو جگہوں کے لیے فارم بھرنے تھے جن میں سے ایک، مانگوں مہاروں کے لیے محفوظ تھی۔ ایک توتیا اپنی طرف سے ہو گیا تو باقی آٹھ گویا اپنے ہی ہیں۔ سیڑھیوں کے بھی نیچے جسے اب تک کھڑا نہیں کیا جاتا تھا اس توتیا کو راج مل اور جگدیو دونوں دیوڑھی پر بلانے لگے۔ اس کے ساتھ جان بوجھ کر نظام کے زمانے کی باتیں کرنے لگے۔ توتیا رات بے رات دونوں کی بیٹھکوں میں جایا کرتا۔ بڑے اطمینان سے کان میں بھید بھری باتیں کہتا، پھر بولتا، "خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ کہی سنی نہیں۔ ماں کی قسم۔ آپ ہمارے ہیں اس لیے بتایا"۔

گرام پنچایت کے پہلے ہی چناؤ میں توتیا کی کانا پھوسی اور چغلخوری نے اور ہی رنگ بھر دیا۔ توتیا دونوں فریقوں کی نیند حرام کرتا رہا۔ ادھر گاؤں میں جھگڑے کی شہرت پھیل جانے کی وجہ سے پولس کا انتظام کچھ زیادہ ہی کیا گیا تھا۔

آخر چناؤ پُر امن ہو گیا۔

جگدیو اور راج مل دونوں سوچ رہے تھے کہ آٹھ دنوں کے بعد سرپنچ کا چناؤ ہو گا تب گاؤں کے راجا بن جائیں گے۔ چناؤ بڑا مقابلے کا تھا۔

جگدیو کے چار اور راج مل کے چار امیدوار چنے گئے۔

توتیا مانگ کا ووٹ اب سرپنچ کے عہدوں کے لیے فیصلہ کن بن گیا۔ دونوں کا خیال تھا کہ توتیا اپنا ہی آدمی ہے۔ مٹھائی، مرغی، بوتل کا سلسلہ سرپنچ کا چناؤ ہونے سے پہلے ہی شروع ہو گیا۔ سیڑھی کے پاس بیٹھ کر چائے پینے والا توتیا اب بیٹھک میں ناشتہ کرنے لگا۔ کروڑ گری کا چنگی ناکہ گرام پنچایت کا دفتر بنا۔ سرپنچ کے چناؤ کے دن' جن کا انتخاب ہو چکا تھا وہ لوگ دفتر میں آ کر بیٹھ گئے۔ دفتر کے چاروں طرف لوگوں کی زبردست بھیڑ تھی۔ توتیا کواڑ کے پاس اپنا لٹھ ٹکا کر ہمیشہ کی طرح ادب سے کھڑا تھا۔

''توتیا تو اب ممبر بن گیا ہے۔ اندر آجا۔ تجھے کرسی پر بیٹھنا ہوگا۔ سیڑھیوں پر نہیں۔ اب بھی نظام سرکار کا راج سمجھ رہا ہے کیا؟''

توتیا کو اندر کھینچا گیا۔ وہ آنا کانی کرنے لگا۔ سب اکٹھا ہو چکے تھے۔ افسر نے اس سے پوچھا ''جگدیو اور راج مل، ان دونوں میں سے تو کسے ووٹ دے رہا ہے، یہ بتا۔ پھر نتیجہ مشتہر کر دیا جائے گا''۔

میں گاؤں کا مانگ۔ باسی روٹی کا ٹکڑا مانگ کر کھاتا ہوں۔ دونوں میرے لیے ایک جیسے ہیں۔ بلا وجہ برائی کیوں مول لوں۔ مری ہوئی ماں کی قسم کہتا ہوں مجھے کسی کو ووٹ نہیں دینے کا......''۔

توتیا مانگ کے اس جواب نے گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے بڑا ہنگامہ مچا دیا۔ جگدیو اور راج مل دونوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے۔ باہر دونوں طرف کے لوگ پھول مالائیں لے کر باجے گاجے کے ساتھ جلوس نکالنے کی تیاری میں آئے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ سر پیٹ رہے تھے کہ دیکھو کیسا زمانہ آگیا ہے۔ جوتوں کے پاس بیٹھنے والا توتیا مانگ اب سرپنچ طے کرے گا۔ اندر کافی گرما گرمی ہوگئی۔ باہر صرف شور سنائی دے رہا تھا۔

آخر توتیا جھجھکتے جھجھکتے جگدیو کی آنکھوں میں جھانکا اور افسر سے کہا ''جگدیو کو گاؤں کا سرپنچ بنایئے''۔

اتنا سنتے ہی جگدیو کے ساتھیوں نے گلال اچھال دیا۔ باجے والے کو بجانے کا اشارہ کر دیا۔ راج مل اور اس کے لوگ بغیر کچھ بولے گھر کی طرف چل دیئے۔

''جگدیو جی کی جے''۔

''جگدیو جی کی جے''۔

گلاس اچھالتے ہوئے سب گاجے باجے کے ساتھ ناچنے لگے۔ گلال سے نہایا ہوا جگدیو بیچ میں جھومتا جھامتا چل رہا تھا۔ توتیا اس کے ساتھ جان بوجھ کر سٹاسٹا چل رہا تھا۔ سب کی طرف دیکھ کر بلاوجہ ہنس رہا تھا۔ گھر کے دروازے پر جگدیو کی آرتی اتاری گئی۔ پھر ''جگدیو جی کی جے'' کا نعرہ بلند ہوا۔

گاؤں پر جگدیو کا عمل دخل شروع ہوگیا۔ بول چال اور برتاؤ میں اور جھگڑا فساد میں شان کا گمان ہونے لگا۔ مستی اور داؤ پیچ کے سہارے اقتدار کا شاہی اہتمام جھلکنے لگا۔ گھر کی بیٹھکیں اور گرام پنچایت کی کرسیاں اب کبھی خالی نہیں رہتی تھیں — ہزاروں لاکھوں روپے کی

ایک سے بڑھ کر ایک اسکیمیں — میٹنگیں — تحصیل اور ضلع میں سر ہلاتے تھے۔ یوں سلسلہ زوروں پر تھا — اگلی ترقیاتی اسکیموں کا نقشہ بن گیا — گھر پر محصول جاری ہو گیا — پاٹھ شالا، دواخانہ بنوانے کے لیے فنڈ آگیا۔ ہاں' نا' کرنے پر بھی لوگوں کو جھک مار کر بقیہ رقم اکٹھی کرنی پڑی — دھیرے دھیرے لوگ بھی ان باتوں کے عادی ہو گئے — سب کچھ ہم نے ہی کیا اب تکلیف ہو رہی ہے تو بغیر شور مچائے اس درد کو سہہ لینا چاہیے — اس طرح کا خیال لوگوں کے دل میں پیدا ہو گیا — دن جلدی جلدی گذرتے گئے۔ پرانی تمام باتیں دھندلی پڑنے لگیں۔ نئی باتوں کو لوگ گلے لگانے لگے۔ نئی راہیں ڈھونڈنے لگے۔

ایک دن جگدیو اور اس کے ساتھی گاؤں بھر میں گھومے۔ سیٹھ راج مل اس کی بیٹھک کے لوگ گاؤں کے کسان سب کو ہنومان جی کی چوپان پر بلا کر اکٹھا کیا۔ سب کے آجانے پر جگدیو نے کہنا شروع کیا:

"گاؤں کے بھائیو اور بہنوں۔

میں آج گاؤں کے سب لوگوں کے فائدہ کی بات بولنے کے واسطے یہاں کھڑا ہوں۔ تم لوگوں کی بھلائی کے واسطے۔ گاؤں کی غریبی دور کرنے کے واسطے میں ضلع دفتر جا کر آیا ہوں۔ لوگوں سے جھگڑا کیا۔ اور ایک بات طے کر لی آپ لوگوں کے واسطے۔ آج اپنا کسان بہت غریب ہو گیا ہے۔ اس کے پاس زمین ہے مگر محنت مشقت کرنے کے واسطے پیسہ نہیں ہے۔ کنواں باوڑی خریدنے کے واسطے، بوائی کرنے کے واسطے پیسہ ہونا ضروری ہے۔ اپنے گاؤں کے کاشتکاروں کی سوسائٹی قائم کرنا ہے۔ تجویز دینا ضروری ہے۔ آپ سب لوگ اس تجویز پر دستخط کر دو۔ ہم بھیج دیں گے۔ ساہوکار لوگوں جیسا زیادہ سود کا یہ پیسہ نہیں ہے۔ سرکار آج آپ کی ہے۔ بہت کم سود دیتے ہوئے خالی زمین کا تخمینہ دینے پر تمھیں قرض ملے گا۔ اب اپنی قسمت نظام یا انگریز کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ خود اپنے ہاتھ میں ہے۔ آپ لوگ آج کل بہت پریشانی میں ہیں۔ آپ کی گاڑی، جوڑی، برتن، گھر بار سب ساہوکار کے پاس گروی ہے۔ اس سے مجھے شرم آتی ہے۔ میں بہت دکھی ہوں۔ آپ سب لوگوں نے مجھے گاؤں کا لیڈر بنایا ہے۔ مجھ پر بھروسہ کیا ہے۔ میں گاؤں کا سرپنچ ہوتے ہوئے آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ گاؤں کی ترقی کے لیے سوسائٹی قائم کرنے کے کاغذات پر دستخط کر دیں۔ باقی سب کچھ میں کرلوں گا۔"

"ہم تمہاری سوسائٹی میں کبھی نہیں آئیں گے۔ ہم اپنی الگ سوسائٹی بنائیں گے۔"

"میری بات سنو سیٹھ جی۔ اختلاف مت کرو۔ قانون اتنے سے چھوٹے گاؤں میں

دو سوسائٹی نہیں بننے دے گا۔ آپ جھگڑا کریں گے تو گاؤں کا نقصان ہوگا۔ لوگ بہت پریشانی میں ہیں۔ گاؤں کی ترقی میں سب کی بھلائی ہے۔"

"قانون کی کتاب ہم بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ہم کو قانون مت پڑھاؤ۔ ہم نے اپنی عقل ابھی گروی نہیں رکھی ہے"۔

ایسی باتوں کی وجہ سے آدھے لوگ وہاں سے چل دیئے جگدیو اور اس کے ساتھی کچھ دیر تک سوچ وچار کرتے رہے پھر اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"کوآپریٹو سوسائٹی۔"

نمبر ایک— نمبر دو— موضع گاندھاری۔

اتنے چھوٹے سے گاؤں میں دو سوسائٹیوں کو منظوری کیسے مل گئی؟ تحصیل میں ضلع میں اسی کا چرچا تھا۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ ضلع کے حکام سے پورے تین دن بحث ہوتی رہی۔ آخر دونوں کو منظوری کیسے دے دی گئی؟ جگہ جگہ کے لوگ آواز اٹھانے لگے۔ کسی بھی سرکار کے قانون میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ قانون کو بالائے طاق رکھ کر یہ کیسے ہو گیا؟ آگے بڑے چناؤ ہونے والے تھے تو کیا قانون کو ہی طلاق دے دیں؟ اب ہر گاؤں سے ایسی مانگیں آنے لگیں گی۔ وہاں بھی جھمیلے پیدا ہوں گے۔ کوآپریشن (تعاون) دو فریقوں کو ملانے میں ہے یا ان کو اور بھی الگ کرنے میں ہے؟

جگدیو اور سیٹھ راج مل دونوں اپنی اپنی سوسائٹی کے چیئر مین بن گئے۔ دونوں کے بڑے جلوس نکلے۔ گاؤں ایک بار پھر گلال کی لال گرد میں ہو گیا!

سیٹھ راج مل بھی کافی چلتا پرزہ آدمی تھا۔ طوائفوں کے اڈے پر جاتا تھا۔ ایک عورت اس نے گھر میں بھی ڈال رکھی تھی۔ سوسائٹی کا چیرمین بن جانے کی خوشی میں اس نے دو قیمتی ساڑیاں اور زرد زری والا کپڑا لا کر اسے دیا۔ اپنے لوگوں کو دعوت دی اور سوسائٹی کے ممبروں کو ساتھ لے کر گھومنے لگا۔ قرض کا بٹوارہ، کھاد، بیج وغیرہ سب شروع کر دیا۔ لوگوں کی نظروں میں رہنے کے لیے یہ عوامی خدمت تھی۔ اس نے اناج کی دکان کھولنے کی اجازت بھی حاصل کر لی۔

مسلسل تین سال بارش کم ہوئی جس سے خشک سالی جیسی حالت ہو گئی۔ اناج کے لالے پڑ گئے۔ کسانوں کے پاس پٹواری، تحصیل دار اور کلکٹر کے کاغذات خانہ پُری کے لیے آنے لگے کہ دس بورے سے زیادہ اناج کسی کے پاس ہو تو لگان کی شکل میں تحصیل کو بھیج دیا

جائے۔ غیر قانونی فروخت بند کر دی گئی۔ ضلع کو سیل کر دیا گیا تاکہ اناج باہر نہ جا سکے سرکار نے گاؤں کے مزدوروں کے لیے دکان سے کم داموں میں اناج تقسیم کرنے کا انتظام کر دیا۔ سوسائیٹی کے پاس دکان آجانے سے سیٹھ راج مل نے بڑے زور شور کے ساتھ اناج بانٹنا شروع کر دیا۔ راشن کارڈ پر گھر کے جتنے لوگوں کے نام درج تھے جوار، گیہوں، چاول، چینی وغیرہ دیا جانے لگا۔ جتنے پیسے اتنا مال پر عمل ہونے لگا۔ بہت سے لوگ صرف جوار ہی خریدتے۔ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے چاول، گیہوں یا چینی نہیں خرید سکتے تھے۔ سیٹھ راج اور کمیٹی کے لوگ بے حد خوش تھے۔

تبھی اچانک ایک دن دوپہر میں۔ اناج کی دوکان پر چھاپہ پڑ گیا۔ سپلائی انسپکٹر، تحصیل دار، پولس، داروغہ سب ایک ساتھ آگئے حساب کتاب، کھاتے، رسید بک وغیرہ قبضے میں کر لیے گئے۔ پنچ، سکریٹری سب کو دور ہٹا دیا گیا۔ کچھ سپاہیوں کو راج مل کے رہائشی مکان پر بھیج دیا گیا۔

''سکریٹری کون ہے؟''

''میں ہوں جناب''۔

''یہاں چاول چار بورے، گیہوں دس بورے، شکر دو بورے کا اسٹاک لکھا ہوا ہے''۔

''ہاں......''۔

''بتاؤ اور بورے کہاں چھپا کر رکھے گئے ہیں — یہاں تو صرف جوار کے بورے ہیں۔''

''تحصیل دار صاحب، آپ ذرا میری بات تو سن لیجئے''۔ پنچ نے کہا۔

''آپ سکریٹری ہیں؟ میں سکریٹری سے بات کر رہا ہوں۔ آپ لوگ اسے خود کی پراپرٹی سمجھ کر بے ایمانی کر رہے ہیں۔ شرم آنی چاہیے۔ کلکٹر صاحب کو بھی اس گاؤں سے رپورٹ بھیجی گئی تھی۔ کلکٹر صاحب کو ہم کیا جواب دیں گے؟''۔

''سیٹھ راج مل کے گھر کی تلاشی ہو چکی۔ چاول ایک بورا اور گیہوں بھی ایک بورا ملا ہے — شکر تھوڑی سی ملی ہے — پنچنامہ.......''۔

''چلو ہم وہاں چلتے ہیں.......''۔

''نمستے تحصیل دار صاحب۔

نمستے داروغہ صاحب۔

آیئے ادھر گدّی پر تشریف رکھئے ......"۔

"تو آپ ہیں سیٹھ راج مل! سوسائٹی کے چیرمین۔ یہ آپ ہی کا مکان ہے؟"۔

"جی ہاں صاحب۔ آپ تو اس سے پہلے بھی دو چار بار تشریف لا چکے ہیں۔ اس وقت میں نے آپ کو......"۔

"معاف کرنا سیٹھ جی۔ آپ لوگوں نے ہماری جان خطرے میں ڈال دی ہے۔ شام چھے بجے کلکٹر صاحب آ رہے ہیں۔ آپ نے راشن کا اناج جلگاؤں ضلع میں بیچا ہے۔ یہ جو کالا بازار آپ نے شروع کر دیا ہے اس کی سزا ضرور ملے گی۔ سیٹھ جی، قانون کو آپ غلط سمجھ بیٹھے ہیں۔ اسی گاؤں کے سو لوگوں کے لیے اناج دوکان میں موجود ہونا چاہیے۔ پھر دوسرے ضلع میں جس کے پاس آپ نے اناج زیادہ قیمت میں بیچا تھا وہ آدمی اور مال پکڑا گیا ہے"۔

"صاحب، میرے گھر قرض وصولنے، سوسائٹی کے صاحب کی موٹر آئی تھی۔ میں ہنومان مہاراج کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کبھی قرض نہیں اٹھایا تو اسے چکاؤں گا کیسے؟ ایک بار سیٹھ نے تین چار جگہوں پر انگوٹھے بھی لیے تھے۔ مجھے پسند نہیں۔ صاحب کیا معلوم یہ شریف نظر آنے والا چیئرمین میرا گلا کاٹے گا۔ اب کہتا ہے، مجھے کچھ نہیں معلوم۔ پیسہ بھرو کہتا ہے۔ صاحب اس کو پاپ کی سزا بھگتنی پڑے گی ہم غریب اناڑی کیا کریں گے صاحب۔ کہاں فیصلہ مانگیں۔"

" بکواس بند کرو۔ کون گدھا ہے یہ؟ سنٹرل بینک کے چیئرمین کے پاس جاؤ ہماری پریشانی میں ......"۔

"فوجدار صاحب۔ گاؤں کا معاملہ گمبھیر نظر آتا ہے۔ پنچنامہ درست کر لو اور ان سب کو اورنگ آباد بھیج دو۔ جیل کی ہوا کھانے پر انہیں سب یاد آجائے گا"۔

پنچ نامے تیار ہو گئے۔ سیٹھ راج مل اور اس کے ساتھیوں کو اورنگ آباد بھیج دیا گیا۔

لیکن ضمانت داخل کر کے وہ لوٹ آئے۔

سیٹھ راج مل کا مارواڑ میں مکان تھا۔ اسے فروخت کرنے کی غرض سے وہ چند دنوں کے لیے وہاں چلا گیا۔ حکام نوٹوں پر ناچتے ہیں' اس کا علم اسے تھا۔ پانچ چھ دنوں کے بعد مارواڑ سے تار آیا کہ سیٹھ راج مل ہارٹ فیل ہونے سے چل بسا۔

جگدیو کے لیے اب راستہ صاف تھا۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ اپنے جیل جانے کا بدلہ اس نے لے لیا تھا۔ اب تمام لوگوں کو اس کے ہی پاس آنا ہوگا۔ وہ گاؤں کا راجا

ہے۔ شیخ چلی سے بھی بڑھ کر اس کی بکواس شروع ہو گئی تھی۔ سرکاری اسکیموں اور رعایتوں کو کسانوں سے پوشیدہ رکھتا۔ سب کچھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا احسان دوسروں پر لادنے کے لیے کہا کرتا:

''آپ کے بھلے کے لیے مجھے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ سنٹرل بینک کے چیرمین، کوآپریٹو بینک کے چیرمین، ضلع پریشد کے اسپیکر سب کی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ کل پرسوں تک یہ لوگ میرے آگے پیچھے گھوما کرتے تھے لیکن آج عہدہ دار ہیں۔ پھر بھی ہم ان سے بہت بڑے ہیں اسی لیے ہمارا کام انہیں کرنا ہی ہے۔ آدھی رات میں بھی کروالیں گے''۔

ایسی ڈینگ ہانکا کرتا تھا وہ۔ لوگ ہاتھ پاؤں جوڑ کر قرض کے لیے خوشامد کرتے۔ جگدیو کہا کرتا: ''تحصیل تک، ضلع تک جانے کے لیے اور سب منظور کروانے کے لیے حاکموں کا منہ بند کرنے کے لیے کافی پیسہ لگتا ہے۔ بہت پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ تم جا کر دیکھو، تمہیں کون پوچھتا ہے؟ خیر — میرے پاس پانچ سو روپے جمع کرو، کنویں کے لیے پانچ ہزار منظور کروالاتا ہوں۔ کاغذ وغیرہ اور فائل کا خرچ الگ ہوگا۔ دوسرے دس پندرہ لوگوں سے بھی کہو تاکہ سب کام ایک ساتھ ہی کرالاؤں۔ ایک دو فائلیں منظور کرانے میں جھمیلہ ہے۔ پھر دو مہینہ کے بعد یہ قرض ملنا بھی بند ہو جائے گا......''۔

ایسی باتیں بنا کر وہ لوگوں کی جیبیں کاٹتا تھا۔

سوسائٹی اور گرام پنچایت میں اندھیرا بڑھتا ہی گیا۔ مصیبت کا مارا کوئی ممبر ہو یا کھاد کا چیک ہو، صرف دستخط کے لیے سو پچاس کمیشن دو یا مرغ لاؤ۔ دو چار جاننے والوں کو چھوڑ کر باقی سب کے ساتھ جگدیو کا رویہ ایک جیسا تھا۔ بارش نہیں ہونے کی وجہ سے لوگوں کے ہاتھ میں پیسہ نہیں تھا۔ کھانے کو اناج نہیں تھا۔ لوگ پریشان تھے۔ قرض کا ہی سہارا تھا۔ کاٹ چھانٹ کر آدھی رقم مل جاتی تھی۔ گھر گرہستی۔ کھیتی باڑی، شادی کے قابل لڑکیاں، لوگوں کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی۔ جس گاؤں نے ڈھیروں اناج پیدا کیا اسی میں اناج کی قلت تھی۔ گھر کی دولت دھان کی لکشمی ہی نہ رہی تو گھر گھر کو ویران ہونا ہی تھا۔ ادھڑی ننگی گرہستی کے کاشتکار کسان کو راجا کہا جاتا ہے۔ وہی آج بھوکے پیٹ جھولی پھیلا کر بھیک مانگنے پر مجبور تھے۔ نزدیک ہی پڑوس کے ضلع کی سرحد ہے۔ لیکن ناکہ بندی جاری ہے۔ اناج نہیں لا سکتے۔ مزدور کھیتوں میں بچی کھچی فصل اور مونگ پھلی کے چھلکے جیسی چیزوں پر گذارہ کر رہے ہیں۔ چوری ڈکیتی بڑھنے لگی ہے۔ لوگ چڑچڑے ہو گئے ہیں گالی گلوج بڑھنے لگی ہے۔

''اس سے تو نظام کا راج اچھا تھا جس میں بھر پیٹ روٹی ملتی تھی۔'' نادان بُڑھیا پرانی یادوں سے آنکھوں میں سُکھ کا پہاڑ کھڑا کرتی ہے۔

جگد یو کے دماغ میں صرف پیسہ، فائیل اور رعایتوں کے لیے جگہہ تھی۔ عقل کا سارا زور اس پر ہوتا کہ جو کام اس نے ذمے لیا ہے اس میں فائدہ کی گنجائش کتنی ہے۔ بجٹ سے کم پیسوں میں اسکول بنوانا۔ گاؤں کے لیے پانچ سو روپے میں کنواں کھدوانا۔ کم زیادہ جو بھی ملے مزدوروں کو کام کرنے پر مجبور کرنا۔ سرپنچ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سڑک کی ترقی کے کام کا ٹھیکہ اپنے کسی ساتھی کے نام پر لینا۔ سارے کام آدھے ادھورے رہ گئے تو بھی کوئی فکر نہیں۔ چیکنگ ہو گئی تو اوپر کے افسروں کو خوش کرنا اور دباؤ ڈلوانا۔ کوئی افسر زیادہ پریشان کرنے لگے تو اس کے کھانے پینے اور نذرانہ کا انتظام کرنا۔ سب کچھ مزے میں چل رہا تھا۔

لیکن ایک دن جگد یو کے کچھ لوگوں نے گاؤں کے شمشان میں ہل چلادیا۔ شمشان کی اس دو ایکڑ زمین میں کیلے کا باغ لگانے کی سازش رچی گئی۔ جگد یو نے گرام پنچایت کی طرف سے تحریری اجازت دیدی کہ یہ جگہ شمشان کی نہیں بلکہ گاؤں کی ترقیاتی زمین ہے۔ شروع میں لوگ ہنس دیئے پھر ان کا غم وغصہ بڑھنے لگا۔ لوگوں نے دستخط کر کے عرضیاں پیش کیں۔ پٹواری گرداور کے ذریعہ تحقیقات کے پنچنامہ ہو گئے اور برسوں سے جو زمین شمشان کی تھی وہ شمشان کی نہیں' گاؤں کی ہے' یہ فیصلہ سنایا گیا۔ لوگوں کا غصہ اور بھی بڑھ گیا۔ مُردے کہاں گاڑیں؟ شمشان کی جگہ بھی کہیں بدل جاتی ہے؟ کچھ لوگ اورنگ آباد بھی ہو آئے۔

تحصیل دار، دوسرے گاؤں کے کچھ نیتا، تحقیقات کے لیے آئے ہوئے ڈپٹی کلکٹر افضل پورکر صاحب، اور گاؤں کے لوگ شمشان میں اکٹھا ہوئے۔ افضل پورکر صاحب نے پوچھ تاچھ شروع کی:

''ہم لوگ جہاں پر کھڑے ہیں کیا یہ شمشان ہے؟''

''ہاں صاحب''۔ پانچ چھ لوگ بولے۔

''نہیں صاحب''۔ پھر پانچ چھ لوگ بولے۔

''پہلے اچھی طرح سمجھ لو۔ تمہارے گاؤں کے سرپنچ کا کہنا ہے کہ یہ شمشان نہیں ہے۔ گرداور اور پٹواری نے بھی ایسا ہی لکھا ہے''۔ کلکٹر صاحب نے کہا۔

گاؤں کے سبھی لوگ چپ ہو گئے— لیکن دگڈو با پاٹل اور راگھو پاٹل ہاتھ جوڑ کر کلکٹر صاحب کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ راگھو پاٹل نے کہا:

"صاحب ہم نے کچھ کم زیادہ کہا تو برامت ماننا۔ آپ ہی ہمارے مائی باپ اور سرکار ہیں۔ میں کہتا ہوں صاحب، یہ شمشان ہے۔ باپ دادا کے زمانے سے۔ جگد یو اس گاؤں کا سرپنچ ضرور ہوا ہے لیکن وہ اس گاؤں کا نہیں ہے نہ ہی آس پاس کا ہے۔ یہاں آئے پانچ دس سال نہیں ہوئے اور کہتا ہے کہ یہ شمشان نہیں ہے وہ اور کیا کیا کرتا رہتا ہے اس کی ہم نے کبھی شکایت نہیں کی۔ جس کا مطلب اس نے یہ سمجھا کہ ہم نرے گدھے ہیں اور چلا دیا ہل ہمارے شمشان میں۔ کل وہ کہے گا کہ ہم جہاں رہتے ہیں وہ گھر نہیں تالاب ہے۔ صاحب آپ نے صرف پنچنامہ دیکھا ہے۔ کیا گاؤں میں اور کہیں کھیتی نہیں بچی؟ ابھی بھی کتنی زمین پڑتی ہوئی ہے وہاں جوتو۔ صاحب، گلے میں یہ تلسی کی مالا دیکھئے۔ پچھلے اساڑھ میں پنڈرپور میں گلے میں ڈالی ہے۔ چار آنے کی ہے۔ مگر اس میں پوری عقیدت ہے میری۔ یہ دس روپے کی قمیص پھاڑ دو صاحب میں اف تک نہیں کروں گا مگر گلے کی یہ تلسی مالا توڑ کر دیکھے کوئی میں اس کا سر پھوڑ ڈالوں گا۔ ایسا ہی یہاں پر ہو گیا ہے صاحب۔ یہ سارے جھوٹے نقلی کاغذات ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے میں مان بھی لوں کہ یہ شمشان نہیں ہے۔ پھر یہ بیر ببول اتنے بے روک ٹوک کیسے بڑھ گئے ہیں؟ یہ جلی ہوئی راکھ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ یہ بھی جانے دیجئے صاحب میں شمشان کھودتا ہوں۔ پندرہ دن گذرے، پڑوس کے مالی کا بچہ یہاں گاڑا گیا ہے، اسے کھود کر دکھاتا ہوں۔ اگر ہڈیاں نکلیں تو پھر ایک ایک کو گاڑ دو۔ اسی گڑھے میں — بھگوان سب کچھ دیکھ رہا ہے، صاحب"۔

کلکٹر صاحب نے بوڑھے کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"بابا، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ برامت مانیے۔ گاؤں کے ہی کچھ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا۔ کام دھندہ چھوڑ کر ایسے نئے فتنے کیوں کھڑے کرتے ہیں۔ پھر فلسفہ بگھاریں گے اور ہمیں سبق پڑھائیں گے۔ خیر مجھے ان کاغذات پر دستخط چاہئیں۔ آپ کے احساسات میں سمجھتا ہوں یہ جگہ شمشان ہی رہے گی۔ کوئی اس میں دخل نہیں دے سکے گا۔ یہاں دستخط کیجئے۔"

چہرے پر شمشان کی چھائیں لے کر لوگوں کی بھیڑ بکھر گئی۔ راگھو پاٹل کیا چیز ہے، جگد یو اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اسے شمشان کی طرف آتے دیکھ کر وہ بہانہ بنا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ مگر راگھو پاٹل کو سیدھا کر دیں گے، والی بکواس وہ بہت دنوں تک کرتا رہا۔

3

راگھو پاٹل کا اکلوتا بیٹا بھاگوت پڑھا لکھا تھا۔ باپ بوڑھا ہو چکا تھا اس لیے کھیتی دیکھنے کے لیے وہ گھر پر ہی رہ گیا۔ اسے صرف کھیتی باڑی سے دلچسپی تھی، گاؤں کے کسی جھمیلے میں کبھی نہیں پڑا۔ گاؤں کی اوپری طرف اس کا بڑا کھیت تھا۔ اس میں نئی نئی فصلیں اگا کر تجربے کرتا۔ وہاں ایک کنواں بھی بنوایا تھا۔ گاؤں کے نزدیک جو زمین تھی اس میں بھی کنواں بنالیا تھا۔ اس نے گاؤں کی نزدیک والی زمین پر نارنگی اور گنے کی باغبانی شروع کی۔ بھاگوت رات دن محنت کرتا۔ جی میں آتا تو گھر لوٹ جاتا نہیں تو وہیں باڑی میں سو جاتا۔ لوگ پہلے سوچتے اور کہنے لگے کہ پڑھا لکھا لڑکا ہے کیا کھیتی کرے گا۔

جن لوگوں نے اپنی پوری زندگی کھیتوں میں گذاری اور جو دن رات کھیتی کا فلسفہ بگھارتے رہے ان سے زیادہ پیداوار بھاگوت پانے لگا۔ لوگ اس کی کھیتی اور باغ دیکھنے کے لیے آتے اور دنگ رہ جاتے۔ بھاگوت کے بول بھی امرت کی طرح تھے۔ کھیت کے مزدور اور گاؤں کے دوسرے لوگ اس کی طرف خود بخود کھینچتے گئے۔ وہ لوگوں کی مشکلوں پر توجہ دیتا بھاگوت جب گاؤں کے پاس باغ میں ہوتا تو لال جی، وٹھوبا، رام لعل وغیرہ اس کی بیٹھک میں آجاتے۔ گاؤں کے کچھ اور لوگ بھی وہاں آیا جایا کرتے۔

''بھاگوت راؤ، گاؤں کی طرف بھی دھیان دیجئے۔ کھیتی باڑی تو راستے پر آگئی ہے۔ گاؤں کے معاملے البتہ بے لگام ہو گئے ہیں۔

بھاگوت مسکرا کر ایسی باتوں کو نظر انداز کر دیتا۔ ''یہ کام اپنا نہیں ہے کاکا۔ جن کا ہے وہی کریں۔ میرے جیسے آدمی کے لیے آگ میں ہاتھ ڈالنے جیسا ہوگا۔ جو یہ سب کر رہے ہیں انہیں ہی مبارک ہو۔ بھلے برے کا پھل بھگتنا پڑتا ہے۔ دیر سویر ضرور ہوتی ہے اس میں''۔

''اب تجھے کیا بتائیں بھاگوت! میری باتوں کو یوں ہوا میں اڑا دو گے تو جلد ہی گاؤں کا ستیاناس ہو جائے گا۔ کہیں کوئی تال میل نہیں ہے۔''

''آپ لوگ ہمیشہ میرے پاس جگدیو اور اس کی شکایت لے کر آتے ہیں۔ حقیقت کا علم مجھے ہے۔ مگر اپنے لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ آخر وہ کب تک بے وقوف بنتے

رہیں گے۔ ان کی ہاں میں ہاں ملا کر کب تک انہیں شہہ دیتے رہیں گے۔ سوسائٹی کے، گرام پنچایت کے چناؤ کے وقت کیوں چپ بیٹھ جاتے ہیں؟ آپ لوگوں کی کمزوری سے وہ فائدہ اٹھائیں گے ہی۔"

"حالات نے لوگوں کو بہت مجبور کر دیا ہے بھاگوت، ورنہ جگد یو کو کون پوچھتا؟ کھیتی باڑی سوکھ گئی تھی تب قرض کی وجہ سے لوگ اس کی گرفت میں آگئے۔"

"کچھ مت کہیے پانڈو کاکا۔ کھیتی بالکل نہیں ہوئی یہ سچ نہیں ہے۔ سرکاری قرض بھی جتنا ملا اس سے گھر گرہستی، شادی بیاہ' کھیتی باڑی' غرض سب ہوسکتا تھا؟ کھیتی کرنا تو میں نے بھی کچھ کچھ سیکھ لیا ہے، ہم سب لوگ ریاست حیدر آباد کے قانون کے تحت آتے ہیں۔ 1950 کے بعد کھیت کے مالک سے زمین لے کر جس نے بھی جوت لی، چاہے منافع پر یا آجر اور مزدور بن کر، سال دو سال یا چار سال جو بھی مدت ہو کاشتکاری قانون کے تحت وہ زمین اسے مل گئی۔ وہ مالک ہو گیا۔ آٹھ ہزار کی زمین آٹھ سو میں محنت کرنے والا مزدور کسان بن گیا۔ اچھا ہی ہوا۔ دولت مندوں کی زمین چھین کر غریبوں کو دے دی سرکار نے کیا برا کیا؟ پھر اس زمین پر کسان کو بیل قرضے پر دیا گیا۔ کنواں بنوانے کے لیے دس دس ہزار روپے ملے لیکن ہمارے گاؤں والوں نے اس میں سے کتنے پیسے خرچ کئے؟ شراب نوشی، رنڈی بازی، جھگڑوں اور تساہلی میں ساری رقم ختم کر دی۔ اپنے گاؤں کے آدھی سے زیادہ اسامیوں کو زمین مل گئی تھی۔ قرض بھی ملا۔ لیکن چونکہ انہیں بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے یہ سب ملا تھا اس لیے قرض کی رقم کو چاٹ گئے اور کھیتی ویسی ہی رہ گئی۔ انہیں اس مفت کی زمین سے کسی طرح کا لگاؤ نہیں ہے۔ وہ مزدور تھے۔ پھر مزدوری کریں گے۔ کچھ وقت مزے میں گذر گیا — میں دیکھتا رہا ہوں کہ ان کی ساری کوششیں قرض کے لیے ہوتی ہیں اس لیے کھیتی پر وہ کیا پسینہ بہائیں گے؟ پرسوں میرے پاس دو تین لوگ آئے تھے بینک سے نوٹس ملے ہیں انھیں یہی بتانے کے لیے آئے تھے۔"

"ہاں کافی لوگوں کو نوٹس ملا ہے۔ اب کھیت اور گھر کی ملکیت ضبط ہونے والی ہے۔ سنتا ہوں جگد یو لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ قرض کی ایک دو نئی اسکیمیں نکلی ہیں، زمین جانے سے پہلے ان کو بھی لے لو۔ پھر زمین گئی تو پرواہ نہیں۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ایک دن یہ سارا قرض سرکار معاف کر دے گی۔ پیداوار ہی نہیں ہے۔ مسلسل سوکھے کی وجہ سے سرکار ایسا ضرور کرے گی"۔

''ان بے وقوفوں کو کون سمجھائے کہ بینک کا روپیہ کسی بھی صورت سے معاف نہیں ہوگا۔ گھر بار کھیت زمین بیچ کر ہی آخر میں چکانا ہوگا۔ سب لوگ دھوکہ کھا رہے ہیں۔ آپ سے کہتا ہوں کاکا، برا لگے گا، مگر اپنے گاؤں کی طرح کے بے وقوف لوگ دوسری جگہہ نہیں ملیں گے۔ زمین جس طرح ملی ہے اسی طرح نکل جائے گی۔ اس لیے بیکار کا سردرد کیوں مول لیا جائے۔ ہمارے لیے اپنی کھیتی باڑی ہی اچھی!

''ہم تجھے یوں دامن چھڑانے نہیں دیں گے بھاگوت آخر کچھ تو راستہ سوچنا ہوگا۔ دوسرے گاؤں والے ہمارے گاؤں پر تھوکتے ہیں اس کا تو خیال کرنا ہوگا''۔

لال جی نے کہا۔

لال جی تم اس فکر میں کیوں پڑ گئے؟ اپنے طبلے کے فن پر جمے رہو۔ تم دو چار لوگوں کے علاوہ میرے پاس کوئی نہیں آتا۔ اپنا دکھ درد بیان نہیں کرتا — خیر سب کچھ تم لوگوں کو ہی کرنا ہوگا۔ میں راہ دکھاؤں گا۔ ایسا کرنے کی کچھ اور وجہیں ہیں۔ لال جی تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ پھر بھی میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔ آگ سہہ نہیں سکتا۔ جسے گھر گرہستی کی آگ جھلساتی ہے وہ گاؤں کے ہزار جھنجھٹوں سے کیسے نجات پائے گا؟ لال جی، تم نہیں سمجھ پاؤ گے کہ آدمی اندر سے اور باہر سے بہت الگ ہوتا ہے''۔ بھاگوت کی آنکھوں میں اماوس کے اندھیرے کی طرح پانی بھر آیا۔ لال جی، رام یا کوئی بھی کچھ نہیں بول پایا۔

بھاگوت جب دور کی بڑی باڑی میں رہتا تھا تب گھر کی طرف بہت کم آیا کرتا تھا۔ گاؤں کے نزدیک کی باڑی میں ہوتا تو گنگا کبھی کبھار ملنے آتی۔ گھر کی اونچ نیچ بتاتی رہتی۔ بھاگوت صرف سن لیا کرتا — گنگا اکثر خاموش رہا کرتی صرف آنسو بہاتی رہتی۔ تب بھاگوت پریشان ہو جاتا۔ گنگا کو لگتا گھر اس کے اوپر گر رہا ہے۔ لیکن برداشت کرنا ہے کہیں باہر چرچے نہ ہوں۔ لوک لاج کے لیے اور سب سے بڑھ کر اپنے آدمی کی عزت کے لیے!

''آج بڑی خوش نظر آ رہی ہو۔ زری کی دھانی ساڑی پہن کر باڑی میں آئی ہو کسی کی نظر نہ لگے۔ آج تیوہار تو نہیں ہے؟''

''آپ کو تو بس ہر چیز عجیب لگتی ہے۔ تیوہار کے دن ہی زری کی ساڑی پہنی جاتی ہے کیا؟ اپنے شوق کے لیے نہیں؟''

''گنگا ذرا پاس تو آؤ۔ شرمانے کی کیا بات ہے؟ دو سال ہو گئے لاج شرم بہت ہو گئی''۔

''آپ کو تو کچھ اور ہی سوجھتا ہے ہمیشہ........''۔

''اور کیا سوجھتا ہے؟ صرف پاس آنے کو تو کہا۔ پگلی کہیں کی۔''
''دیکھئے جی، میں باڑی میں اس کے لیے نہیں آتی.........''۔
''آنا کانی کیوں کر رہی ہو؟ اس باڑی میں آج ایک بھی مزدور کام پر نہیں ہے۔ سب کو بھیج دیا ہے اوپر والی باڑی میں''۔
''کوئی نہیں ہے تو کیا ہوا؟ وقت کا تو خیال کرنا چاہئے۔''
''اور تال میل نہیں بٹھانا چاہئے۔ ہے نا؟''
''مجھے کام ہے گھر پر''۔
''عجیب پاگل ہو تم بھی میں کچھ سمجھا رہا ہوں اور تم کچھ اور کہہ رہی ہو۔ بڑی آئی وقت کا اور گھر کا خیال رکھنے والی''۔
''اچھا اچھا۔ غصہ نے کریں۔ آپ جانتے ہیں میں آپ کے غصہ کے آگے ہار مان لیتی ہوں''۔
''پھر نوک جھونک کیوں کر رہی ہو؟''
''اچھا آیئے— تشریف لایئے ادھر...... کیلے کے کنج کی طرف......''
''چادر لے لوں......''
''مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟''
— باڑی کے پاس کنگن کھنکنے کی آواز گونجی تو گنگا ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جلدی جلدی ساڑی کا پلو ٹھیک کرنے لگی— کوئی ہے— بھاگوت کنج کی آڑ میں چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔ سونے کا بہانہ کرنے لگا۔ خراٹے بھرنے لگا— باڑی میں جائی بائی کی لڑکی جے ونتا کو دیکھ کر گنگا کی جان میں جان آئی۔ گھبراہٹ میں وہ جے ونتا سے ٹھیک طرح بول نہیں پا رہی تھی۔ دونوں گھر کی طرف چل پڑیں۔ پھر جے ونتا نے اسے بیچ میں ہی روک دیا۔ زور سے ہنس پڑی۔
''کیا ہوا؟'' گنگا نے پوچھا۔
''گنگا بھابھی۔ ساڑھی کی چنٹیں ٹھیک کر لو۔
وہ چونک پڑی۔ اس نے جے ونتا کی پیٹھ پر زور سے مکا مار دیا! پھر دونوں آنکھیں مٹکاتی اٹھلاتی گھر کی طرف چل پڑیں۔
جے ونتا، بوڑھی بیوہ جائی بائی کی لڑکی ہے۔ جائی بائی کا مرد پندرہ بیس سال پہلے ہی چل بسا تھا۔ اس نے اس لڑکی کے سہارے بیوگی گذار دی۔ کافی بوڑھی ہوگئی ہے۔ چلنا پھرنا

مشکل ہو گیا ہے۔ جے ونتا کی شادی کرادی تھی، لیکن ابھاگن نکلی۔ شادی کے دو سال بعد ہی اس کا مرد گرہستی کو لات مار کر گھر سے بھاگ گیا۔ جے ونتا، ماں کے پاس واپس آ گئی۔ راگھو پاٹل کے گھر کے اور جے ونتا کے ماں باپ کے تعلقات بہت ہی اچھے تھے۔ جے ونتا کے باپ کی موت کے بعد راگھو پاٹل نے ہی بوڑھی کو سہارا دیا۔ اب بھی وقت بے وقت لینا دینا چلتا رہتا ہے۔ مگر جے ونتا کی قسمت چٹان پر لکھی گئی تھی۔ لوگ جائی بائی سے کہا کرتے ''بھگوان نے، جیسا نہیں دینا چاہئے تھا ویسا روپ تیری لڑکی کو دیا ہے۔ اس کا مرد چلا گیا تو کیا ہوا دوسری شادی کر کے کسی کے گلے میں باندھ دے۔''

بوڑھی گالیاں دینا شروع کر دیتی ''جے ونتا کا مرد کبھی تو لوٹ آئے گا ہی...... دو سال رہا ہے وہ میری لڑکے کے ساتھ۔ آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ......اسی کے نام پر لڑکی کو بیٹھا رکھوں گی۔ اسی کے نام کا وہ ٹیکہ لگاتی ہے۔ گلے میں منگل سوتر پہنتی ہے۔ میں نے ایک لڑکے کے سہارے بیوگی گذار دی ہے۔'' بوڑھی، ستی ساوتری کی، سیتا مائی کی، پرانوں کی کتھائیں سنتی ہوئی ایک ہی رٹ لگاتی۔ کنیڈی کی بیوی کو گالیاں دیتی ہوئی اس کے نام انگلیاں چٹخاتی۔

بوڑھی کی برادری کے دو تین لوگ ایک بار جے ونتا کی شادی کی بات کرنے کے لیے آ گئے تھے۔ تب بھی بوڑھی بگڑ گئی تھی۔ حالانکہ ان لوگوں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی— اب زمانہ بدل گیا ہے جائی بائی، پرسوں ہم نے اخبار میں پڑھا کہ امریکہ جیسے دیش کا راجا پھینڈی یا کنیڈی کچھ نام تھا اس کا۔ نہرو گاندھی مہاتما جیسا بڑا آدمی۔ اس کو کسی نے گولی سے مار ڈالا تھا۔ اب اس کی بیوی نے دوسرا مرد کر لیا۔ اور ایک تو اپنی پرانی باتوں کو لیے بیٹھی ہوئی ہو۔ لڑکی جوان ہے اونچ نیچ ہو گئی تو کس بھگوان کا نام لے گی؟

تب سے بوڑھی کنیڈی کی بیوی کو کوس رہی ہے۔ اسے چھینال رانڈ کہا کرتی ہے۔
جے ونتا کو صرف راگھو پاٹل کی باڑی میں کام پر جانے کی اجازت تھی۔ جو مزدوری ملتی تھی اس سے گذارہ کرتی تھی۔ کچھ کم پڑا تو راگھو پاٹل سے مانگ لیتی۔ دوسری کسی جگہ کام پر نہ جانے کی تاکید تھی۔ باؤڑی کے پیڑ کے پاس چبوترے پر ایک بار بھگوت بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک جے ونتا بھاگتی ہوئی آئی اور بڑے ہیجانی انداز میں اس سے لپٹ گئی۔ اس کا سینہ اتنے زور سے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا اب پھٹ جائے گا۔ آج تک دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن آج اچانک یہ لپٹ جانا؟ بھاگوت سہم گیا۔ کچھ بولنے کے لیے ابھی منہ کھولا ہی تھا اس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بازوں کی طرف دیکھنے کا اشارہ کیا تب بھاگوت کے ہوش بھی اڑ

گئے اور وہ کانپ اُٹھا۔ چبوترے کے پاس کے میدان میں ناگن اور ناگ اختلاط میں مصروف تھے۔ دونوں کا بدن ایک دوسرے کی بندش میں مشروط تھا اور تحریک میں تھرارہا تھا۔ ماحول سے بے خبر — شہوت کی مستی — اور — سکون۔ یکا یک دونوں کا جسم تڑپ اُٹھا۔ پھر دھیرے دھیرے دونوں جھاڑی میں غائب ہو گئے — جے ونتا ابھی تک اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ تر بتر۔ سینے کی دھڑکن پگھل رہی تھی۔ اتنی ڈری ہوئی تھی کہ دور ہٹانے پر بھی نہیں ہٹ رہی تھی۔ پھر وہ ہوش میں آ گئی۔ سینے سے ڈھلکے آنچل کو سنوارے لگی ایک لفظ بھی نہیں بول پائی۔

بہت ڈر گئی ہو جے ونتا۔ اس ناگ کو میں نے اور کام پر آنے والے لوگوں نے بہت بار دیکھا ہے مگر اسے آج تک کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی۔ جوڑے کو آج ہی پہلی بار ایک ساتھ دیکھا ہے۔ لوگ کہتے ہیں اس طرح دکھائی دینا نصیب کی بات ہے۔ اچھے دن آتے ہیں اور چھپی ہوئی دولت مل جاتی ہے۔ اب میرے اور تمہارے بھی بھلے دن آئیں گے۔

جے ونتا دھیرے سے مسکرائی۔ پھر آہ بھر کر گھبرائی ہوئی نظروں سے بھاگوت کو دیکھا اور بغیر کچھ بولے آنچل سنوارتی ہوئی گاؤں کی طرف چل دی۔

گاؤں کے نزدیک کی باغ باڑی میں آج کام نہیں تھا۔ ادھر کے کام والے مرد عورتوں کو اس نے بڑی باڑی کھیت میں بھیج دیا گیا تھا۔ اسی لیے چاروں طرف سناٹا تھا۔ دو پہر کے وقت جے ونتا اس باڑی میں جاتی نظر آئی۔ اکیلی۔ بھاگوت کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیوں گئی ہوگی۔ ہاتھ میں ہنسیا یا کھرپا بھی نہیں تھا۔ باڑی میں کام ہو یا نہ ہو جب بھی کبھی جاتی ہے کہہ کر جاتی ہے آج اس طرح تنہا دو پہر کے سناٹے میں بغیر کچھ کہے کیوں گئی آخر؟ بھاگوت کے دماغ میں طرح طرح کی باتیں آنے لگیں ...... باڑی میں کوئی مرد تو نہیں؟ ممکن ہے کسی کو بلا رکھا ہو؟ بھاگوت سے رہا نہیں گیا۔ وہ دھیمے قدموں سے باڑی میں چل پڑا۔ گنے کے جھرمٹ تک ہو آیا مگر جے ونتا کہیں نظر نہیں آئی۔ کیلے کے گیلے ڈانڈ کے پاس کی کیاری سے جے ونتا کیلے کے جنگل میں چلی گئی ہوگی۔ اسے اس کے قدموں کے نشان کیاری کی نم مٹی پر نظر آ گئے۔ بھاگوت اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ چور قدموں سے وہ مٹی پر پڑے قدموں کے نشان پر قدم رکھتے ہوئے کیاری سے آگے بڑھتا گیا۔ پھر یکا یک رک جانا پڑا۔ کیلے کے ایک بڑے تنے کی آڑ سے چھپ کر دیکھنے لگا۔ جے ونتا نے ساڑی اُتار رکھی تھی۔ اس کا ننگا بدن تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ پتلی کمر میں تعویز اور مہین کالا دھاگہ بندھا تھا۔ کالے دھاگے سے کمر کے نیچے کا ابھار اور بھی چمک رہا تھا۔ کیلے کے تنے کا

سہارا لے کر وہ کھڑی تھی اور داہنے ہاتھ کی انگلیاں چمپئی جانگھوں میں ڈال کر اوپر نیچے کر رہی تھی۔ اپنے آس پاس بے خبر اپنی ہی دُھن میں جے ونتا پوری طرح مصروف تھی۔ گلے میں کالے موتیوں کا منگل سوتر دھیمی پینگ میں جھول رہا تھا۔ ابھرا ہوا سینہ، تنی ہوئی چولی میں کسمسا رہا تھا— پھر وہ ساڑی پر بیٹھ جاتی ہے۔

بھاگوت کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اپنی انگلیوں کے ناخن اس نے کیلے کے تنے میں چبھو رکھے تھے۔

4

کاتک کا مہینہ شروع ہونے سے قبل ہی لوگ پاگل ہو جاتے تھے۔ اجنتا گھاٹی کے سدھیشور کے میلے کی طرف آنکھیں لگ جاتی تھیں۔ کتکی پونم پر بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ بھجن، پالکی، کیرتن، رتھ یاترا مگر لوگوں کی خاص دلچسپی سینما ناچ تماشہ میں تھی۔ میلے میں ہزاروں روپے کا کاروبار ہوتا ہے۔ اتنا بڑا میلہ آس پاس کہیں نہیں لگتا۔ بیس پچیس گاؤں کے لوگ عشرہ بھر چلنے والے میلے میں ہی ملتے ہیں۔ لیکن سدھیشور کے عقیدت منداں میں کم ہی ہوتے ہیں۔

اس سال بھی کیا بیل گاڑیوں میں، کیا موٹروں میں لوگ بھر بھر کر آئے۔ پیدل چلنے والوں کی چیونٹی جیسی قطاریں تھیں۔ ایسا چھتے کی طرح بھرا پڑا میلہ پچھلے دس بارہ سال میں نہیں لگا تھا۔ دوکان دار دن بہ دن مال بڑھانے لگے۔ ابتدائی دو تین دنوں تک ہوٹلوں کے سوا اور کسی کی بکری من چاہی نہیں ہوئی۔ لیکن میلے کی بھیڑ میں اور آس پاس کے گاؤں میں سنگیت تماشہ کی اور ناچنے والی گلاب کی خبر پھیل گئی تب میلے پر اصلی رنگ چڑھا۔ دیہاتی ناظرین کے لیے خاص طور پر مذہبی دیوی دیوتاؤں کے، دارا سنگھ وجینتی مالا اور دلیپ کمار وغیرہ کے سینما لائے گئے۔ مگر تین دن کے اندر وہ خالی پڑ گئے۔ نٹ لڑکوں کا تماشہ ہر سال بڑے زوروں پر چلتا تھا وہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ کانوں سنی گلاب کی تعریف لوگوں کو سچ نہیں لگتی تھی۔ اسی لیے کسی بھی طرح ٹکٹ لے آتے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔ روز بھیڑ بڑھتی گئی۔ ساتار کر، لیلا جلگاؤ نگر اور گلاب کولہا پور کا پروگرام رات بھر دھوم مچاتا۔ گلاب کی باری تیسری اور آخری ہوتی۔ اس وقت تک رات شباب پر آچکی ہوتی۔ لوگ پردے پھاڑ دیتے اور دھینگا مشتی کرتے ہوئے اندر چلے آئے۔ اس سے بچنے کے لیے مینجر پورا تھیٹر کھول کر رکھ دیتا۔ ریل پیل شور وغل، سیٹیوں کی آوازیں، مار پیٹ سب ملا کر دھوم مچی رہتی۔ اسٹیج کا پردہ ہٹتے ہی ہارمونیم ماسٹر اور طبلچی کے بیچ سے قُلانچیں بھرتا ہوا جوکر تیرجے راؤ ہندوؤں کو سلام اور مسلمانوں کو رام رام بجا کر قہقہے پھیلاتا ہوا کہنے لگتا:

''اب میری پٹ رانی گلاب کولہا پور والی اپنی دونوں باندیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہیں۔ احترام سے استقبال کرو.......''۔

گنیش وندنا اور طبلے کی سلامی میں گلال اچھالتی تینوں رقاصاؤں کے ٹھمکے سے پورا اسٹیج دھڑ کنے لگتا۔ کالی ساڑی میں ملبوس ناگن کی طرح لہراتی رقاصہ کو لوگ ٹارچ جلا کر اشارے سے بلاتے:

''روپ کا کہنا کیا ہے؟''

''ملا ہو میر ثنات ٹونگی میر چی (ایک ملیح چہرہ— مجھے کہتے ہیں مرچ لونگ)

''گانا کیسا ہونا چاہیے؟''

''ہری مرچ ڈال کر''۔

''اپنے دس روپے (ہاتھ میں نوٹ لے کر)— اِملی آئی ہے پکنے کو۔ ہاتھ نہیں لگانا میرے پیڑ کو''۔

ناچنے والی سکھیاں لوگوں سے روپیہ وصولتی ہیں۔ انہیں واہیات قسم کے لوگوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ ہاتھ پکڑ کر دبا دیتے ہیں۔ وہ شور مچاتی ہیں۔

''ارے شور کیوں کرتی ہے؟ پانچ روپے اور لے لے''۔

''مگر گانا یوں دبا کر ہونا چاہیے جیسے ساڑی کو چُنٹ کو دبا کر باندھا ہے بالکل ویسا۔ ہاں........''۔

''گلاب بائی ....گلاب........گلاب کو بھیج دو.........''۔

گلاب اسٹیج پر اکیلی طبلہ کی لے پر ناچ رہی ہے۔ ناچنے میں وہ دنیا سے بے خبر ہو جاتی ہے— جب طبلچی تھم جاتا ہے تب گلاب کے قدم بھی رک جاتے ہیں۔ وہ پیروں کے گھنگرو ٹھیک کرنے لگتی ہے۔ لوگ اسے اچھی طرح دیکھتے ہیں۔ کیسی چھریرے بدن کی ہے۔ ناچنے والی عورتوں میں ایسی حسین تو کبھی نہیں دیکھی۔ وجینتی مالا یا پدمنی جیسے ہے یہ۔ سنیما والی۔ سالے اس تھیٹر والے نے کہاں سے اس چڑیا کو قید کیا ہے۔

سنیما میں ناچنے والی سے بھی زیادہ طوفان ہے اس کے رقص میں۔ اور کتنی مچک ہے کمر میں........''۔

''پانچ روپے کا کیا کہنا ہے؟''

''کیا ہے؟''۔

''گلاب بائی کو 'سولون برِیس دھو کیا چن (سولھواں سال بڑا خطرے والا)' گانے کو بولو''۔

''اپنے دس روپے۔ تیرا تیرا او بے پیر دل کی اور بات ہے' گانے کے لیے بول''۔
شاہو پاٹل ٹوپی اور پینٹ پہن کر آیا ہے۔

''اپنے سو روپے۔ اپنا نام دے کر ــــ تُجھیا اُو سالاگ لائے کولہا........(تیرے گنّے کو کاٹے ہیں سیار)' گانے کو بولو''۔

لوگوں پر نشہ چڑھا ہوا ہے۔ سکھیاں روپے اکٹھا کر کے ہارمونیم کے پاس رکھتی جاتی ہیں۔ سون گاڈیا (مسخرہ) کودتے پھاندتے ہوئے ہنسی مذاق کرتا رہتا ہے۔ سیٹیوں اور آوازوں کا شور ہے۔ گلاب ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش رہنے کے لیے کہتی ہے:

''میں شروع میں ایک ''لاونی'' سناتی ہوں۔ پھر آپ کے فرمائشی گانوں پر ناچوں گی۔

طبلے پر تھاپ پڑی اور پیروں میں پایل تھرک اٹھی۔

بھولے جیا کو کتنا سنبھالا
سیاں تو نے پنچھی کو پھندے میں ڈالا
رنگ چنری کا لال
زری بوٹے کا مہال
من ہو گیا بے تال
لاکھ آنکھوں سے رنگ میرا میلا
سیاں میرے تن میں قہر کی جوالا
ایسا چنچل ہے گانا
پیروں میں پایل رکے نا
گلال مائی میں۔ سنا
مجھے نہائی دیکھ کے گلالا
بھری سبھا میں طوفان پھیلا
دیہہ ٹہنی سی پتلی
نئی نویلی ہے کدلی
ذرا تنگ ہو گئی چولی
سبھا ہونے پر تو ہے دیکھنے والا

سیاں تیری آنکھوں کو آسمان جو ملا
طبلچی یکا یک رک جاتا ہے۔ گلاب ناراض ہو جاتی ہے۔
ونس مور — ونس مور — ڈبل۔ ٹارچ کی روشنیاں — سیٹیاں — ہنگامہ۔
''واہ! واہ! گلاب بائی ....جواب نہیں''۔
''لاکھ آنکھوں سے رنگ میرا میلا ....ماں کا........''۔
ٹارچ کی تیز روشنی گلاب کے چہرے پر پڑتی ہے۔
''میں نہیں آتی اُدھر۔ آپ یہاں کے لوگ بڑے واہیات ہیں''۔
''تو پھر ناچتی کس لیے ہے۔''

بھیڑ میں روپیہ وصولنے والی ایک رقاصہ، گلاب کے پاس آتی ہے اور سو کا ہرا نوٹ پکڑا کر کہتی ہے، وہاں' آخری کونے میں کوئی لال جی اور بھاگوت راؤ ہیں۔ ان کی فرمائش ہے کہ گانا نہیں چاہیے۔ صرف رقص کریں اُدھر بلاتے ہیں''۔

''میں نہیں جاتی اُدھر۔''

'' آخر کیوں؟ سو کا نوٹ مل رہا ہے۔ میں تو دس پیسے پر بھی چلا جاؤں مگر ہمیں کوئی بلائے بھی۔ چلو۔ میں ساتھ چلتا ہوں''۔ سرجے راؤ بولا۔

''کہئے، کیا کہتے ہیں؟''۔

'' گانا نہیں چاہیے۔ کل رات آپ ناگن کی طرح ناچی تھیں اسی طرح آج بھی رقص کیجئے''۔ لال جی نے کہا۔

گلاب حیرت سے دونوں کی طرف دیکھتی ہے۔ اوروں کی طرح یہ نہیں دکھائی دیتے۔ سر پھیرے دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ ان سے الگ ہیں۔ گانا نہیں صرف ناچ کی فرمائش کرنے والا آج تک میلے میں کبھی کوئی نہیں ملا تھا۔ کل رات میں ناچی تھی تو اپنے من کی خوشی کے لئے۔ ان کو وہ اتنا پسند آ گیا؟ میلے کی اس گندی بدتمیز بھیڑ میں ایسے بھی قدر داں مل جاتے ہیں۔ ادب سے بات کرنے والے — اس نے پھر ایک بار ان کی طرف دیکھا۔ کل دوپہر میں کافی دیر تک طبلچی سے شاید یہی دونوں باتیں کر رہے تھے۔

کہئے تو سو روپے اور دوں۔ لیکن انکار مت کیجئے گا۔''

لال جی کے گورے چٹے چہرے کی طرف وہ دیکھتی رہ گئی۔ اتنی عزت اور عاجزی سے پیش آنے والا یہ کیسا گاہک ہے۔

''سوال روپیوں کا نہیں۔ میری مشکل دوسری ہے میں جب تک ناچتی رہتی ہوں تب تک طبلچی کا دم نہیں نکلتا۔ اس کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے........'' گلاب بولی۔ ہم دوسرا آدمی دیں گے طبلے پر۔ آپ کو منظور ہے؟''۔ بھاگوت جلدی سے بولا۔ بالکل نہیں۔ مجھے اول درجے کا طبلچی چاہئے۔ میرا اپنا طبلچی پچھلے مہینہ سے بیمار ہے''۔ گلاب نے بتایا۔

''گلاب بائی آپ صرف ہاں تو کہئے۔ ہمارا طبلچی بہت ہی کہنہ مشق ہے''۔

''کہاں ہے؟ مجھے دیر ہو رہی ہے........لوگ اُدھر شور مچا رہے ہیں''۔

''یہ رہا۔ لال جی اس کا نام ہے۔ طبلہ، ہارمونیم، سارنگی جو چاہئے بجانے کے لیے کہئے''۔ بھاگوت نے بتایا۔

حیران ہو کر گلاب نے پھر ایک بار لال جی کی طرف دیکھا۔

''بھاگوت، اور کچھ بھی کہہ دے مگر یہاں بجانے کے لیے مت کہہ''۔ لال جی بد بدایا۔

''کیوں؟''۔ بھاگوت نے پوچھا''

''لوگ کیا کہیں گے۔ اتنا بڑا زمیندار اور جلسے میں طبلہ بجائے۔ نہیں بھئی مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''بے وقوفوں جیسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟ اتنی بڑی رقاصہ سامنے ہونے پر تو بجائے گا نہیں؟ چل اُٹھ۔''

''نہیں بھاگوت''۔

''اٹھ بھی۔ میری قسم''۔

بھاگوت اور آس پاس بیٹھے دو چار لوگ اسے اٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ گلاب کے پیچھے لال جی بھی اسٹیج پر جاتا ہے۔ ڈگے کو چھوٹی سی ہتھوڑی سے ادھر اُدھر ٹھکوا کر اور قمیص کی لمبی آستین کو کلائی پر موڑ کر طبلے کی سیاہی پر انگلیوں کو جماتا ہے۔

لال جی کی وجہ سے لوگوں میں شور مچ گیا ہے۔ پھر آوازیں — سیٹیاں — گانے کی فرمائشیں — نوٹوں کے بنڈل کھلنے لگتے ہیں........''۔

گلاب اشارہ کرتی ہے۔ لال جی کی انگلیاں طبلے پر تھرکنے لگتی ہیں۔ پیروں کی یہ پائلیں چھنچھنانے لگتی ہیں۔ لال جی مست ہو کر بجانے لگتا ہے۔ شور مچانے والے جھومنے لگتے ہیں اور ایک ٹک لال جی اور گلاب کو دیکھتے رہ جاتے ہیں — گلاب کے لچکتے بدن کی طرف

دیکھ کر ہوش کھو بیٹھتے ہیں— گلاب بے تحاشہ ناچتی ہے بار بار تال بدلتی ہے۔ کتنی ہی دیر تک وہ ناچتی رہتی ہے۔ لال جی کی استادانہ انگلیاں ہنر دکھاتی رہتی ہیں۔ لوگ پاگل ہو اٹھتے ہیں— عجیب سے نشے میں جیسے وہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ یکایک چھوٹے سے اسٹیج پر گلاب کا پیر پھسل جاتا ہے اور وہ نیچے گر جاتی ہے۔ سرجے راؤ اور لال جی اسے اٹھا کر اندر لے جاتے ہیں— بہت دیر تک وہ بے ہوش رہتی ہے۔ باہر شور بڑھنے لگتا ہے۔ مینجر کے ساتھ لوگوں کی جھڑپیں ہوتی ہیں۔ مار پیٹ بھی ہوتی ہے۔ لوگ ٹیوب لائٹ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ لال جی کو گالیاں دیتے ہیں— گلاب کے خلاف آوازے کستے ہیں— آخر پولیس کو بلایا جاتا ہے— دھیرے دھیرے سب لوگ باہر چلے جاتے ہیں۔ گلاب کے پاس دو تین ناچنے والیاں ہیں۔ مینجر ہے اور گاؤں کے دس پانچ لوگ اپنی پریشانی اور ہمدردی کا اظہار کرنے کے لیے رکے ہوئے ہیں۔ ان کو مینجر نے ہاتھ جوڑ کر راستہ دکھا دیا ہے۔

گھنٹہ بھر بعد گلاب کو ہوش آتا ہے تب لوگوں کی جان میں جان آتی ہے۔ کہیں چوٹ نہیں آئی تھی۔ سر میں ذرا سی خراش تھی۔ اس جگہ پر ہلدی لگا دی گئی۔ گلاب اسٹیج پر رہے تو ایک رات کے دو تین ہزار یقیناً آجاتے ہیں۔ اس کے نہ ہونے پر ایک رات کے چار سو بھی نہیں آتے تھے۔ گلاب کو چوٹ نہیں آئی ہے۔ اس کی سب سے زیادہ خوشی مینجر کو تھی۔

''کہیں چوٹ تو نہیں آئی ؟''۔ مینجر نے ایک بار پھر پوچھا: اس نئے طبلچی کے کہنے میں آکر بلاوجہ اس طرح ....''۔ مینجر نے لال جی پر غصے کا اظہار کرنا چاہا۔

لیکن گلاب نے اشارے سے منع کر دیا۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا......کانوں میں طبلہ کی آواز گونج رہی تھی اور پاؤں جیسے ناچنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے— اس نے جلدی سے پوچھا۔ ''وہ طبلچی ہے کہاں ؟''

''جہنم میں گیا۔ تم اب آرام کرو۔'' ایک ناچنے والی نے کہاں۔

''بکواس مت کرو۔ اس کو روکا کیوں نہیں ؟۔''

''کون روکتا ؟ اس کے بجانے سے تو تمہاری جان پر بن گئی۔ وہ خود ہی بھاگ گیا۔'' مینجر نے بتایا۔

''گلاب بائی، مجھے پتہ ہے وہ طبلے والا گاؤں میں کہاں ٹھہرا ہوا ہے بلائیں کیا ؟'' اس کا اپنا طبلچی بولا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہے؟ رات کے دو بج رہے ہیں۔ اس وقت اس کو ڈھونڈ کر کیا کرو گے؟ اس جلسے میں نہ جانے کہاں کہاں سے پونگا پنڈت چلے آتے ہیں''۔ سرجے راؤ بولا۔

''گلاب بائی، ہنگامہ کے بعد جب لوگ چلے گئے تو وہ طبلے والا اور اس کے ساتھ کا ایک آدمی بہت دیر تک کھڑے رہے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے ٹھکانہ کا پتہ مجھے دیا تھا......''۔ طبلچی نے بتایا۔

''اچھا! سویرے انہیں بلا لاؤ۔ میرا نام بتانا۔ کہنا' چوٹ ووٹ نہیں آئی ہے۔ آپ سب لوگ یہاں کیوں رُکے ہیں۔ جائیے۔ مجھے آرام کرنے دیجئے۔'' گلاب بولی۔

''آج کا دھندا تو چوپٹ ہو گیا''۔ منیجر نے کہا۔

''ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں۔ مجھے اب سونے دیجئے۔ آپ کو تو پیسے کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آدمی کو گویا خریدنا چاہتے ہیں''۔

گلاب بائی کو ناراض دیکھ کر سب وہاں سے ہٹ گئے۔ صرف ایک ناچنے والی اس کی خراش پر ہلدی ملتی رہی۔

''گلاب بائی، آپ کو یوں ناچتے ہوئے میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ آج آنکھیں نہال ہو گئیں''۔

''نادان ہو۔ میں کیا خاک ناچتی ہوں۔ وہ طبلچی — لال جی یا ایسا ہی نام ہے اس کا — اسے مبارکباد دو۔ انسان کے ہاتھ تھے یا بھگوان کے — سمجھ میں نہیں آرہا کہ انگلیوں میں ایسا جادو بھی ہوتا ہے۔ بہت سال ہو گئے میں ایک بار لکھنو کے آئینہ محل میں ناچی تھی۔ ایسا ہی طبلہ بجانے والا تھا...... اتنے دنوں کے بعد آج خواہش پوری ہو گئی — کل آخری دن ہے' اسی کو طبلے پر بیٹھاؤں گی''۔

''منیجر صاحب مانیں گے؟ وہ چلّا رہے تھے کہ آج دھندا چوپٹ ہو گیا۔ انہیں تو صرف پیسہ چاہئے''۔

''منیجر گیا بھاڑ میں۔ نوٹوں کے بنڈلوں پر ناچنے والی ہوتی تو پہلے ہی بہت کمایا ہوتا۔ یہ بھی لوگ بے وقوف ہیں۔ اب بھی میرے پیروں میں سُرسُراہٹ ہو رہی ہے۔ اس نے بجایا تب ہی میں ناچوں گی۔ نہیں تو ناچنا بند۔ صبح پھولوں کا گجرا لے آنا''۔

''کیا کرنا ہے؟''۔

''لال جی کی کلائی پر باندھوں گی اپنے ہاتھوں سے۔ مہاراج بڑودہ کے دربار میں ایک دن ناچنے کا وعدہ میں نے کیا ہے۔ یہ بات کوئی نہیں جانتا۔ میں لال جی کو بڑودہ لے جاؤں گی۔''

''پھر ہم لوگوں کا کیا ہوگا؟''۔

''جا' اب سو جا۔ پھر بتاؤں گی۔ میں اس دھندے سے اوب چکی ہوں مگر نصیب کا چکرا بھی تک چھوٹا نہیں ہے۔''

پھر لال جی گلاب کے ساتھ بھٹکتا رہا۔

گلاب نے لال جی کی انگلیوں کی بدولت بڑودہ اور گوالیار کے دربار میں کامیاب رقص کیے۔ مستقل طور پر شاہی رقاصہ بننے کی پیشکش اور انعام واکرام ملنے پر بھی گلاب کہیں نہیں رکی بلکہ اونکاریشور کے مندر میں لال جی کے ساتھ اس نے بیاہ کر لیا۔ گلاب کا برتاؤ رہن سہن' خوش مزاجی' مذہبی رجحان وغیرہ سے متاثر ہو کر اس کی بھٹکتی زندگی کو لال جی نے سہارا دے دیا۔ گلاب کی ماں پنجابی اور باپ گجراتی تھا۔ باپ کے قتل کے بعد اس کی ماں لکھنؤ کے محل میں پہنچ گئی۔ گلاب کے بچپن کے دس بارہ سال لکھنؤ گوالیار اور بڑودہ میں گذرے۔ لکھنؤ، سے اسے غائب کر کے بمبئی میں بیچ دیا گیا۔ وہاں کے گھناؤنے چکلوں کی سخت نگرانی کو توڑ کر دو ہی دن میں وہ کیسے بھاگ نکلی یہ وہی جانتی ہے۔ اس نے لال جی کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا۔ لال جی فنکار تھا اور فراخ دل انسان بھی کسی بات کی اس نے پرواہ نہیں کی۔ اونکاریشور کو گواہ مان کر آشیرواد لے لیا۔ اور گلاب کا نام ساوتری رکھا۔

یہ خبر گاؤں میں اور آس پاس کے دیہاتوں میں پھیل گئی کہ لال جی نے سدھیشور کے میلے میں ناچنے والی عورت کے ساتھ بیاہ کر لیا ہے۔ لال جی کے گھر میں کوئی نہیں تھا۔ ایک بوڑھی دادی' دور کے رشتے کے ایک ماما اور بوا تھی۔ لیکن وہ ہر طرح سے آزاد تھا۔ تنہا ہونے کی وجہ سے گھر کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ ہارمونیم' طبلہ اور سارنگی کے علاوہ باہر کی دنیا سے اس نے مطلب کم ہی رکھا تھا۔ کھیتی باڑی کافی اچھی تھی اور زرخیز زمین ہونے کی وجہ سے پیداوار کی کمی نہیں تھی حالانکہ وہ کھیتی پر دھیان نہیں دیتا تھا۔ گاؤں میں اس کی کسی کے ساتھ بنتی نہیں تھی۔ صرف بھاگوت سے اس کی دوستی تھی۔ بھاگوت اکثر اس کے گھر طبلہ، گانا سننے کے لیے آیا کرتا۔ بھاگوت سے دوستی ہونے کے بعد اس کی کھیتی سدھر گئی تھی۔ پیداوار بڑھ گئی تھی۔ بھاگوت، لال جی کے فن کا گرویدہ تھا۔ وہ اس سے کہا کرتا کہ اگر شہر میں ہوتا تو ہزاروں

روپے کمالیتا۔ مشہور ہو جاتا مگر بھگوان نے یہاں تجھے کالی دھرتی کو جوتنے میں لگا دیا ہے۔ پھر بھی تو ریاض کرتے رہنا۔

لال جی کو پہلے جوا، سٹہ کھیلنے کی عادت تھی۔ ایک بار ایک جوئے کے اڈے میں تین چار دن لگا تار بغیر کھائے پیئے کھیلتا رہا تھا اور روئی اور منگ پھلی کی آمدنی کے پانچ سات ہزار روپے گنوا بیٹھا تھا۔ بھا گوت نے اس کی عادتوں پر دھیرے دھیرے روک لگا دی۔ لال جی پر کسی کا دباؤ نہیں تھا۔ ایک دفعہ ایک نامی پہلوان کی کشتی دیکھ آیا تو کشتی کی مشق کرنے لگا۔ زور شور سے پہلوانی شروع کردی۔ لال جی ویسے بھلا اور نیک آدمی تھا۔ ایک بار اس نے شراب پی کر بیوی کو گالی گلوج کرنے والے گاؤں کے ایک آدمی کی اچھی خاصی مرمت کردی تھی۔ جہاں کہیں بد چلنی بڑھ جاتی لال جی ننگے پن سے پیش آتا اور بات کو انجام تک پہنچاتا۔ بہت سے لوگوں کا تو یہی خیال تھا کہ لال جی چنچل اور نادان بچہ ہے جو کسی کے بھی ساتھ جھگڑا مول لے لیتا ہے۔ مگر گاؤں کے شہدے اور غنڈے بدمعاش اس سے ڈرتے تھے۔ بھا گوت نے جب اسے برا بھلا کہا تب سے اس کی دنیا ہی بدل گئی۔ جوا کھیلنا بند ہو گیا۔ واہیات لوگوں کا کانٹا نکالنے کا کام تو اس نے اپنے خرچ سے ہی کیا تھا۔ ایک دو بڑے جھگڑوں میں اس نے دو تگڑے آدمیوں کے ہوش درست کر دیئے تھے، تب سے جگد یو بھی اس سے دبتا تھا۔

شادی کرانے کی غرض سے لال جی کے ماما، بوا وغیرہ دو تین بار اس کے پاس آئے تھے مگر ان کی اور لال جی کی کبھی نہیں بنی۔

''میں جب ناسمجھ تھا تبھی ان مطلبی لوگوں نے میرے ماں باپ کو ختم کر دیا۔ میں ان کی پرچھائیں سے بھی الگ رہنا چاہتا ہوں''۔ لال جی اس طرح کی باتیں ان کے سامنے ہی کرتا۔ بھا گوت نے بھی دو ایک بار کہا۔ لیکن وہ ٹال مٹول کر جاتا کہ ابھی سے کون بیوی کے چکر میں پڑے۔ تب اس کے ذہن میں دارا سنگھ پہلوان تھا۔

اور اب لال جی، ساوتری کو لے کر آیا تو کسی رشتے دار کے پاس جانے کی بجائے سیدھا بھا گوت کے گھر پہنچ گیا۔ بھا گوت اور گنگا بھابھی کے پیر چھوئے — دونوں ان کی طرف دیکھتے رہ گئے۔

لال جی نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے: ''معاف کرنا' اجازت نہیں لے سکا۔ وہیں سے سب کچھ نمٹا کر آیا ہوں۔ تو نے طبلے پر نہیں بیٹھایا ہوتا تو یہ ساری رامائن کیوں ہوتی؟ اب آشیرواد بھی دے''۔

''ارے آشیرواد مجھ سے کیوں مانگتا ہے؟ بھگوان سے مانگ۔ سب کچھ کرنے والا وہی ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ اب تیرا ادھر آنا شاید ہی ہو۔ بہت پریشان تھا میں۔ پرسوں تیرا خط ملا تب اطمینان ہوا۔ گاؤں میں سب مجھے کوس رہے ہیں۔ تیرے ماما بھی ایک بار میرے پاس آئے تھے۔''

''جوتا مار کر باہر کر دینا تھا۔ جائیداد کے لیے آئے ہوں گے یہاں۔ مگر لال جی جب تک زندہ ہے ان کی کوئی بھی خواہش پوری نہیں ہوگی۔ میرے باپ کا قتل کر دیا تب میں بچہ تھا۔ بھڑوؤں نے ......''۔

''کیا انٹ شنٹ بول رہا ہے۔ نئی نئی بھابھی آئی ہیں۔ تیری بکواس......''

''ایک مہینہ میں پرانی ہو چکی ہیں میرے لئے۔ گنگا بھابھی آپ تو کچھ بول ہی نہیں رہی ہیں۔ گھر والی کیسی ہے یہ تو بتایئے''۔

''بالکل لکشمی نارائن کی جوڑی ہے آپ دونوں کی۔ آپ بہت قسمت والے ہیں۔''

''اچھا! اچھا۔ تم لوگ رسوئی دیکھو۔ ہم دونوں ذرا گھوم کر آتے ہیں۔ ادھر باغیچے میں ہی ہیں ہمیں کچھ باتیں کرنی ہیں''۔

لال جی نے نئے سرے سے گھر سجایا۔ گرہستی بسائی۔ ہارمونیم طبلے کی دھول جھاڑ کر انہیں چمکایا۔ رسوئی سے لے کر گھر کے سارے کام کی ذمہ داری ہری باکولی پر تھی۔ کبھی کبھار بھاگوت آجایا کرتا تھا۔

ایک بار آتے ہی بھاگوت کہنے لگا کہ شادی کر کے جب سے آیا ہے ستار یا طبلہ کو نہیں چھوا ہے۔ آج میں بہت اداس ہوں۔ طبلہ سن کر ہی جاؤں گا۔ لال جی مان گیا۔ ہمیشہ کی طرح طبلہ بجانے لگا۔ بھاگوت بہت خوش ہوا۔ یکایک اس کا دھیان ساوتری کے پیروں کی طرف گیا۔ وہ پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پیر زمین پر ٹکے ہوئے تھے لیکن داہنا پیر دھیرے دھیرے تال کے ساتھ ہل رہا تھا۔ پھر بایاں پیر بھی اسی طرح لے کا ساتھ دینے لگے۔ بھاگوت چونک پڑا۔ اسے شرمندگی محسوس ہوئی کہ اتنی دیر تک ایک ٹک ساوتری کے پیروں کی طرف دیکھتا رہا ہے۔ گلی کوچوں سے لوگ لال جی کے گھر میں جھانکنے لگے تھے۔ بچے بچیاں دروازے میں، کھڑکی میں اکٹھا ہونے لگے تھے۔ لال جی کی انگلیاں جادو جگا رہی تھیں تبھی اچانک دھڑام کی آواز گونجی۔ دونوں نے دیکھا ساوتری پلنگ پر نیچے گر پڑی ہے۔ بھاگوت نے پیاز کاٹ کر اس کی ناک کے پاس رکھا۔ کھڑکی دروازے سے جھانکنے والوں کو بھگا دیا۔

ساوتری کے سر میں سخت چوٹ آئی تھی۔ کمر میں بھی درد ہو رہا تھا۔ دوسرے دن اسے اورنگ آباد ہسپتال لے جایا گیا۔ دو ڈاکٹروں نے جانچ کی۔ ساوتری سے اکیلے میں بھی پوچھ تاچھ کی گئی۔ پھر لال جی کو ڈاکٹروں نے سخت تاکید کی کہ ساوتری کے سامنے کسی بھی طرح کا باجا نہیں بجایا جائے۔ ریڈیو بھی نہیں۔ اور اگر بجانا ضروری ہو تو اسے ناچنے دیا جائے۔ اس کا فن اور تن چکرا جاتا ہے۔ دوسری کوئی بات نہیں ہے۔

ساوتری کو دیکھنے کے لیے لوگ جان بوجھ کر اس گلی سے گذرتے۔ بہت دنوں تک گاؤں میں اور گاؤں کے باہر اسی کا چرچا ہوتا رہا۔ لال جی کے رشتہ داروں نے اسے برادری سے باہر کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ طے ہوا کہ شادی بیاہ میں، غمی ماتم میں اسے دعوت نہیں دینی ہے اور اس کے گھر نہیں جانا ہے — نہ معلوم کس ذات کی عورت لے آیا ہے۔ اس نے سماج کی عزت مٹی میں ملا دی۔ ہماری عورتیں کیا سب بانجھ تھیں؟ اسے کوئی دوسری لڑکی نہیں مل رہی تھی کیا؟ ایک سے بڑھ کر ایک ہیرے کی کنی جیسی مل سکتی تھی — سب اسے برا کہہ رہے تھے۔ مگر لال جی پر اس کا اثر نہیں ہوا۔ وہ کبھی کسی کا محتاج نہیں رہا۔ برادری یا ذات کا تو بالکل ہی نہیں۔ ذات پات کی پابندیوں کو اس نے پہلے ہی طاق پر رکھ دیا تھا۔ مسلمانوں کی پرچھائیں سے پرہیز کرنے والوں سے وہ اکثر کہا کرتا کہ جب غلام علی خاں کے پاس طبلہ سیکھ رہا تھا تب مسلمان دوستوں کی تھالی میں ہی کھانا کھاتا تھا۔ لال جی کی پہلوانی سے سب واقف تھے اس لیے اس کے سامنے خاموش رہ جاتے، البتہ گھروں میں یا پیٹھ پیچھے اس کے خلاف باتیں ہوتیں:

''ناچنے والی بائی کبھی کھونٹے سے بندھی رہے گی؟''

''بالکل نہیں۔ بارہ گاؤں کا پانی پی کر آئی ہے۔ لال جی کو برباد کر کے رہے گی۔''

''مگر رکے گی تب نا۔ آج لال جی مل گیا۔ کل کوئی خیال جی مل جائے گا تو بھاگ جائے گی اس کے ساتھ''۔

''سدھیشور کے میلے میں کیا کمال کا ناچی تھی یار۔ وجینتی مالا بھی مات کھا جائے''۔

''ہاں بھیا۔ تب سے ہی یہ لفڑا چالو ہو گیا''۔

''اجی اس گاؤں میں ایسی بائی کیا کر سکے گی؟ شہر کا عیش آرام بھوگی ہوئی ہے۔ اس کا من یہاں نہیں لگے گا۔''

''ایک بار کواڑ بند کر کے ناچی تھی بھاگوت بھی تھا وہاں پر۔ جگدیو کہتا تھا کہ ناچتے ناچتے گر پڑی تھی اور اسے اورنگ آباد کے دواخانے میں لے جایا گیا تھا''۔

''ویسے تو بھلا آدمی ہے۔ لیکن یہ جھمیلہ پال لیا ہے''۔

''بھاگوت کہتا ہے کہ شہروں میں ایسی شادیاں بہت ہوا کرتی ہیں وہ تو اونکاریشور سے ہی شادی کر کے آئے ہیں آگے کچھ کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

''سنا ہے' لال جی نے ہی شادی کی پیش کش کی تھی۔ یہ عورت ہے، بہت ہوشیار۔ روز صبح تلسی میں پانی دیتی ہے پوجا پاٹھ کرتی ہے۔ شام کو شیو جی کی آرتی بھی گاتی ہے۔''

''اچھا! کون کہتا ہے؟''

''خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایسی ہی خوبیوں کی وجہ سے لال جی کو اونکاریشور کے مندر میں شادی کرنی پڑی۔''

''یہ تو عجیب بات سن رہا ہوں — ذات کیا ہے؟''

''ہمیں کیا معلوم کوئی برہمن کہتا ہے کوئی گجراتی بتاتا ہے کوئی کچھ بولتا ہے''۔

''لیکن ان ذاتوں کی نہیں لگتی''۔

''ایک بات ہے۔ بائی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ تم کہہ رہے ہو کہ لال جی کو دھوکہ دے کر ایک مہینہ کے اندر بھاگ جائے گی مگر اب تو آٹھ مہینے ہو گئے۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ شہر کے اتنے بڑے لوگوں کو چھوڑ کر اسے یہ گنوار لال جی ہی کیوں پسند آ گیا؟''۔

''طبلے کی وجہ سے''۔

''ارے، لال جی نے کبھی طبلہ ٹھیک سے بجایا بھی ہے۔ اندھوں میں کانا۔ دنیا میں بہت بڑے بڑے بجانے والے پڑے ہیں۔''

''ہاں ہاں۔ تم نے تو جیسے طبلے کے پندرہ امتحانوں کی سٹرٹیفکیٹ لے لی ہے۔ صرف جلی کٹی باتیں کرنا جانتے ہو۔ ہاں، تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ اس نے ناچنے والی کو بیوی بنا لیا ہے۔ مگر طبلے میں اسے جاہل سمجھنا زیادتی ہوگی۔ تم لوگوں کو یاد ہوگا، بنجاروں کی ہولی کے تیوہار میں ہم سب شامل ہوئے تھے۔ سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے اس وقت لال جی سیکھنا ہی شروع کیا تھا۔ بنجارہ عورتوں اور مردوں نے اس رات دارو کے پورے کنستر خالی کر دیئے تھے نشے میں ناچ رہے تھے وہ سب:

لال ہو یا آیو رے
لالے راکھیت ما

اس گانے یا گیت پر لال جی نے بے تحاشہ ڈھولک بجایا تھا۔ اور ایسا اچھا بجایا تھا کہ بنجارے لوگ اسے سر پر اُٹھا کر ناچنے لگے تھے۔ تب تم لوگ ہی کہا کرتے تھے کہ لال جی کا مقابلہ کرنے والا آس پاس کے پچیس گاؤں میں نہیں ملے گا''۔

''مگر ناچنے والی بائی کو گھر میں رکھ لینا اچھا نہیں لگتا۔ گاؤں کا ماحول بگڑ جائے گا۔ یہاں ریت رواج کچھ اور ہے۔''

''بڑے آئے ریت رواج والے۔ سوچو ہے کھا کر بلّی حج کو چلی۔ گاؤں میں ناجائز حمل گرائے گئے تب آپ لوگ خاموش کیوں تھے۔ اس وقت ریت رواج کو کھونٹی پر ٹانگ دیا گیا تھا۔ دنیا میں جتنی گندی باتیں ہیں ان کی نجلبجاہٹ گاؤں میں بھری ہوئی ہے، اس کے خلاف آپ نے کچھ نہیں کیا اور اب نیا سبق پڑھا رہے ہیں''۔

''جانے دیجئے۔ آپ لوگ کیوں آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ جو ہوتا ہے دیکھتے جایئے''۔

صبح سویرے جگدیو کو اپنے یہاں آتے دیکھ کر لال جی کو تعجب ہوا۔ اس نے ساوتری کو جگایا— جگدیو کو پلنگ پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ لال جی کے یہاں وہ بہت کم آتا تھا۔ پانچ چھ مہینہ پہلے کچھ کام نکال کر جان بوجھ کر آیا تھا۔ تب لال جی سمجھ گیا تھا کہ وہ ساوتری کو دیکھنے آیا ہے۔ اس نے زور زور سے ادھر ادھر کی باتیں کی تھیں اور ساوتری بھابھی کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ وہ اسے ناچنے والی ہی سمجھ رہا تھا۔ ساوتری جب چائے لے کر آئی تو لال جی نے دونوں کا تعارف کرا دیا تھا— بعد میں ساوتری خفا ہوئی تھی کہ یہ آدمی شکل سے ہی پاپی نظر آتا ہے۔ مہربانی کر کے آئندہ مجھے اس کے سامنے آنے کے لیے مت کہیے گا۔

جگدیو آج پھر آدھمکا تھا۔ حالانکہ کل شام کو ہی راستہ میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ تب تو کچھ نہیں کہا تھا۔ رات بھر میں کیا بات ہوگئی۔ پھر بھی اخلاقاً لال جی نے اندر چائے کے لیے کہہ دیا۔ کسی دوسرے کے آنے پر ساوتری خود چائے لے کر باہر آئی لیکن جگدیو کے سامنے نہیں آئی۔ ہری با چائے لے کر آیا۔

''لیجئے۔ چائے پیجئے''۔

''گھر سے ہی پی کر نکلا تھا۔ کاہے کو بنوائی۔ بھابھی کو ناحق تکلیف دی''۔

''تکلیف تو اٹھانی ہی پڑتی ہے۔ آپ کبھی کبھار ہمارے یہاں آتے ہیں۔ تو چائے بھی نہیں پلاتا کیا؟''

’’بھابھی کے ہاتھ کی چائے ہے تو پینی ہی پڑے گی‘‘

’’آج کیسے آنا ہوا؟ کچھ کام تھا کیا؟‘‘

’’ہاں، معمولی سا کام تھا‘‘

’’کہئے‘‘

’’گیہوں لگانے کے لیے موگڑا اور اس کا باردانا چاہیے‘‘

’’آپ کی اتنی بڑی کھیتی ہے۔ پھر ان چیزوں کو کیوں نہیں بنا لیتے؟ اس طرح کی تمام چیزیں آپ مانگ کر ہی لے جاتے ہیں‘‘۔

’’سال میں ایک بار ہی ان کا استعمال ہوتا ہے اسی لیے نہیں بنواتا‘‘

’’بوائی تو ہر کسی کی سال میں ایک بار ہی ہوتی ہے پانچ بار نہیں ہوتی۔ ہر بار مانگنا اچھا نہیں لگتا۔ اس کے علاوہ آپ کو دی ہوئی چیز ٹوٹ پھوٹ کر واپس آتی ہے‘‘۔

’’اب شکایت نہیں ہوگی۔ میں خیال رکھوں گا۔‘‘

’’پانچ چھ دنوں بعد لے جایئے۔ بھاگوت گیہوں بو رہا ہے۔ اس نے دو موگڑے جوڑ لیے ہیں۔‘‘

’’لیکن مجھے آج ہی چاہیے۔‘‘

’’چار پانچ دن تو نہیں مل سکتا۔ اس کی بوائی ہو جانے پر لے جایئے گا۔ اس نے بونا شروع کر دیا ہے۔ کھیت میں نمی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگلے مہینہ اس کے یہاں زراعتی محکمے سے اعلیٰ افسر یا شاید وزیر آنے والے ہیں‘‘۔

’’یہ بکواس ہے۔ منسٹر صاحب سے اس کا کیا تعلق۔ بھاگوت بنڈل مارتا ہے‘‘۔

’’آپ اپنی فطرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ دیکھئے۔ اسے پڑھئے۔ پرسوں ہی سکریٹریٹ سے کاغذ آیا ہے۔ میرے پاس ہی رہ گیا ہے۔‘‘—

’’اس میں کیلے اور موسمی کا ذکر کیوں ہے؟‘‘

’’گاؤں میں رہ کر آپ کو علم نہیں ہے۔ گذشتہ دنوں پونہ کے زراعت اسکول سے لوگ آئے تھے۔ بلکہ دو دفعہ آئے تھے۔ موسمی پر ڈائے بیگ یا اسی طرح کی بیماری لگ گئی ہے۔ بھاگوت نے اپنے طور پر اس کا علاج ڈھونڈ نکالا ہے۔ اسے ہی دیکھنے کے لیے ماہرین آئے تھے۔ کیلے کے کچھ پودے منسٹر صاحب اپنے ساتھ لے جائیں گے تاکہ نمائش میں رکھ سکیں۔‘‘

''یہ منسٹر لوگ ایک نمبر کے وہ ہیں۔ بلاوجہ اس کی اور اس کی کھیتی کی تعریف کر رہے ہیں۔ اس سے اچھی کھیتی تو میری ہے۔''

''ابھی آپ منسٹر وغیرہ کو بڑا آدمی کہہ رہے تھے اور اب ''وہ'' ہو گئے۔ آپ انہیں ہمیشہ بھگوان مانتے رہے ہیں۔ بھاگوت بیچ میں آ گیا تو انہیں بے وقوف کہنے لگے۔ ایک بات پر قائم رہا کیجئے۔ بھاگوت نے جو دوا ایجاد کی ہے ایسی کوشش آج تک کس نے کی تھی؟ وہ اصلی کسان ہے۔''

''تمہارا دوست ہے اس لیے جو کہہ لو۔ میں پرسوں اس کے بڑے باغ میں گیا تھا۔ پانی کی کمی کی وجہ سے کیلے سوکھ گئے ہیں۔ نمائش میں بھیجنے کے لیے وہاں مجھے کچھ نظر نہیں آیا''۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں کل اور پرسوں سارا دن اسی کے کھیت اور باغ میں تھا۔ موٹر پمپ سے سینچائی ہو رہی تھی اور کیلے کی فصل لہلہا رہی تھی۔ آپ کی باتیں مضحکہ خیز ہیں''۔

''شاید میں غلط بول گیا۔ دراصل ہمارا آدمی اس کے کھیت پر گیا تھا۔ وہی بتا رہا تھا''۔

''تو یوں کہئے نا۔ یہ سچ ہے کہ آپ کا آدمی وہاں گیا تھا۔ ہم لوگ کھیت میں ہی تھے۔ آپ کا آدمی بھاگوت کی پوری کھیتی کی تعریف کر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ آپ بہت خود پسند ہیں۔ اپنے آدمیوں سے دوسرے کی برائی سن کر خوش ہوتے ہیں۔ اگر کسی دوسروں کی تعریف کر دی تو آپ اسے گدھا کا خطاب دیتے ہیں۔ خیر اس بات کو جانے دیجئے۔ آپ یہ کہہ رہے تھے کہ موسمی کی فصل اپنے یہاں نہیں ہو سکتی۔ لیکن موسمی کا باغ اتنی بڑی قیمت دے گیا۔''

''اگلے سال کچھ نہیں ہوگا۔''

''یہ بات آپ تین سال سے کہہ رہے ہیں۔''

''مگر اسے خرچ بھی بہت کرنا پڑ رہا ہے۔ پیداوار اور خرچ سب برابر۔ اگر ایک سال کی فصل خراب ہو گئی تو اس کی پوزیشن دیکھتے بنے گی''۔

''آپ کی آنکھوں پر صرف کالا چشمہ ہے۔ اس لیے دور تک سیاہ نظر آتا ہے۔ یہ بیکار کا حسد ہے۔ اس طرح آپ کی آمدنی بھاگوت جتنی نہیں ہونے والی۔ میری ناقص رائے ہے کہ کسی کو بھی کسی سے حسد نہیں کرنا چاہیے۔ جل جل کوئلہ بھئی اور کوئلہ بھئی راکھ۔''

''بھاگوت کے تعلقات منسٹروں سے ہیں تو اس سے گاؤں کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ بھاگوت کو چاہیے کہ گاؤں کی ترقی کے لیے ان سے مدد لیں۔''

''اپنے طور پر وہ کوشش کرتا رہتا ہے۔ ایک بار اس نے میرے ہی سامنے اپنے گاؤں کے لیے ہی نہیں بلکہ سارے انچل کے فائدہ کے لیے بہت سارے مطالبہ رکھے تھے۔ ان لوگوں نے مان بھی لیا تھا۔ فرق اتنا ہے کہ وہ آپ لوگوں کی طرح خود اپنا ڈھول نہیں پیٹتا۔ اب کیا روز وہاں جاکر چکر کاٹے گا؟ وہ خوشامد پسند نہیں ہے۔ اس کا نیچر الگ ہے آپ کے اور ہمارے جیسے گنوار لوگوں کے دائرے میں سمانے والا آدمی نہیں ہے۔ وہ اعلیٰ ظرف کا مالک ہے پھر بھی گاؤں کی باتوں میں شامل ہوتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ گدھے کو گھوڑا کہنا اور اسے ایک آواز میں مان لینا، اناڑی پن نہیں تو اور کیا ہے''۔

''کھیتی باڑی کے اس کے طریقے اور ہدایات کو ماننے سے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچے گا''۔

''سرپنچ صاحب، آپ نے اپنے آپ کو کبھی جانچا پرکھا نہیں ہے۔ آپ کی پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ سوسائٹی اور گرام پنچایت کے قرض کی تقسیم میں آپ نے جو چالبازی کی ہے اسی وجہ سے لوگوں کو آپ کے پاس آنا پڑتا ہے۔ ان کو قرض دیتے وقت تقریباً آدھی رقم آپ اپنے قرض کی قسط کی ادائیگی میں وصول لیتے ہیں۔ آدھی رقم کے لیے وہ آپ کے ساتھ میٹھی باتیں کرنے پر مجبور ہیں۔ آپ کو نہیں پوچھیں گے تو ان کا وہ خانگی قرض بھی ڈوب جائے گا۔ رقم ہوا ہو جائے گی۔ آج وہ مصیبت میں ہیں، الجھن میں ہیں، اس لیے آپ باندھ کر رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں شام کا کھانا نصیب نہیں ہوتا پھر بھی آپ ان سے مرغ اور بوتل مانگتے ہیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟''۔

''انہیں تکلیف ہوتی تو ہر سال ہم سے ہی رجوع کیوں ہوتے۔ نظام سرکار میں رشوت کی جیسی گرم بازاری تھی آج نہیں ہے۔ اِتنا اُتنا لیا تو آپ جیسے لوگ اس کی تشہیر کرتے ہیں۔''

''آپ کے علاوہ دوسرا کوئی ہوتا تو اسے میری باتیں بری لگتیں۔ لیکن آپ عادی ہو چکے ہیں۔ جس مہاتما کے نام پر، اس کے آدرشوں کے نام پر آپ نے یہ کھادی پہن رکھی ہے اس کا بھی ذرا خیال کیجیے۔ دوسرے گاؤں کے نیتاؤں نے اپنے اپنے گاؤں دیہات کو شہر جیسا امیر اور خوش حال بنا دیا ہے۔ جو عوام آپ پر بھروسے کر بیٹھے تھے انہیں مت روندیے۔ لوگوں کو جب تک جکڑ رکھا ہے وہ آپ کے قبضے میں ہیں۔ سنا ہے، گنوار لیکن ہوشیار عورت اپنے

شوہر کو قبضہ میں رکھنے کے لیے ماہواری میں سپاری بھگو کر دیتی ہے۔ آپ نے شاید ایسا ہی کیا ہے۔ مگر اس کا پاپ ضرور لگے گا۔"

"پاپ اور پنیہ ست یگ میں تھا۔ آج ایسی باتیں نہیں ہیں"۔

"آپ کا وہم جلد ہی دور ہو جائے گا۔ وقت گزرتا رہتا ہے لوگ دھیرے دھیرے سمجھ رہے ہیں۔ گاؤں کے بے حس لوگوں کو کہیں سے سنجیونی مل رہی ہے۔ کافی لوگ اب کمانے لگے ہیں۔ بیکار کی باتوں سے خود کو بچا رہے ہیں۔ گرہستی سنبھالنے لگے ہیں، بھاگوت نے سوسائٹی اور گرام پنچایت کی طرف توجہ دی ہے۔ اپنے پاس سے کتنے ہی لوگوں کو قرض دلایا ہے۔ یہ سب دیکھ کر آپ پریشان ہیں۔ آپ نے اس کی کھیتی باڑی پر جھوٹا الزام ٹھایا، اس کے خلاف درخواست دی۔ بلا وجہ آپ اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ تحصیل کے اور ضلع کے بڑے افسروں نے آپ کو ڈانٹ سنائی ہے۔ چار لوگوں میں آپ بے عزت ہوئے تب بھی آپ کی دُم ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی ہے۔ گاؤں کے بھلے کے لیے اس نے ساتھ دیا۔ لیکن آپ پیچھے پڑ گئے۔ بھاگوت نے سوچا خواہ مخواہ اس نے اس راستے پر قدم رکھا ہے۔ وہ ان باتوں کو برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے آپ کے لیے راستہ صاف کر دیا اور خود الگ بیٹھ رہا۔ اب پھر آپ الٹا جواب مانگ رہے ہیں۔ وہ تو صاف صاف کہتا ہے کہ گاؤں کے لیے کچھ کرنے کا مطلب اپنے آپ کو جوکھم میں ڈالنا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ الگ تھلگ رہے۔ اچھا، یہ بتائیے کیا آپ نے اپنا بھی بھلا کیا ہے؟ خود آپ پر ہزاروں روپے کا اور اس چھوٹے سے گاؤں پر آٹھ لاکھ روپے کا قرض چڑھا ہوا ہے۔ سال بھر میں سود بھی ادا نہیں کر سکتے۔ بینک کا تالا لگا دینے کا ارادہ ہے کیا؟ اپنا راج ہے چلنے دو۔ آپ تو سرکار کو بھی بے وقوف بنا رہے ہیں اور لوگوں کو بھی۔ لیکن ہم سے دور رہئے گا۔ گاؤں کے لوگوں کو پرکھنے کی عقل ہم رکھتے ہیں۔ آپ ہمیں بے وقوف سمجھ رہے ہیں مگر ہم آپ پر ہنستے رہتے ہیں — بھاگوت کے ساتھ یا میرے ساتھ آپ کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ پھر بھی آپ ہمیشہ اپنے حسد کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ آخر ہم کب تک سنیں؟ اور کس لیے ......"۔

"ذرا سنئے ......"۔ گھر کے اندر سے ساوتری کی میٹھی آواز سنائی دی۔ جگدیو چونک پڑا۔

لال جی اندر جا کر واپس آ گیا: "معاف کیجیے سرپنچ صاحب، ہم دونوں کی تلخ باتیں میری بیوی کو اچھی نہیں لگ رہی ہیں۔ اس لیے اب آپ تشریف لے جائیے۔ رام رام۔"

5

ہنومان مندر کے میدان میں عورتوں اور مردوں کا ہجوم ہے۔ کرتال اور مردنگ بجنے کے بعد بابا جی کیرتن کے لیے کھڑے ہوئے۔ سفید لباس سفید پگڑی اور سفید رومال کمر میں باندھے ہوئے تھے۔ آسن پر رکھی گیانیشوری کی پوتھی کو پہلے انہوں نے نمسکار کیا پھر کیرتن شروع کر دیا:

''پُنڈ لیکا وردے ہاک وٹھل
شری گیان دیوتکا رام
ایک ناتھ مہاراج کی جے
پنڈھری ناتھ مہاراج کی جے۔''

سب نے ایک آواز میں زور سے جے جے کار کی۔ کرتال اور مردنگ کی آواز سے فضا گونج اٹھی — خاموشی چھانے پر بابا جی نے دھیمی آواز میں کیرتن کے بول شروع کیے:

''ناشیونت دیہہ جانا رسکل
آئشیہ کھاتو کال، ساودھان''

''ناشیونت دیہہ۔ یہ دیہہ کیسا ہے بھائیو؟ فانی ہے۔ جسم جیسا پاک اس کرۂ ارض پر دوسرا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور بھائیوں اس جسم جیسا ناپاک بھی کچھ نہیں ہے۔ مگر بدن کو ناپاک کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ سنت شیرومنی تکوبا رائے کہتے ہیں کہ جسم نجس ہے — اس کیرتن میں، میں یہی بتانے والا ہوں کہ کون سا جسم پاک ہے اور کون سا ناپاک ہے۔ اس کے پہلے تالی بجا کر بھگوان کا نام لیں تا کہ پنڈرپور میں وٹھو بارام بھی جاگ پڑیں۔

وٹھل..............وٹھل..............
وٹھل......وٹھل...... ٹھٹھلوی ...... ٹھٹھلوی ...... ٹھٹھلوی ...... ٹھٹھلوی ......
وٹھل.....''۔

بابا جی کے ساتھ سارے لوگ کیرتن میں محو ہو گئے۔

بابا جی نے پھر شروع کیا ''یہ جسم فانی ہے۔ ختم ہو جانے والا ہے.......''۔

''ٹھہریئے بابا جی، ہمیں آپ سے ایک سوال کرنا ہے۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں،

غلط ہے۔ ہم بھی بھاگوت گیتا' گیانیشور پڑھتے ہیں۔ روحانیت کے بارے میں ہم نے پڑھا ہے۔ بھاگوت تو پانچ بار ختم کیا ہے۔ ہمیں دیہاتی جان کر اناڑی مت سمجھئے۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ جسم فانی ہے مگر گیتا میں لکھا ہے کہ آتما امر ہے۔ ہمارا کہنا ہے کہ آتما سبھی عناصر میں یکساں ہے۔ محیط ہو کر بھی مخفی ہے۔ ایک جسم کو پاک کہنا اور دوسرے کو ناپاک کہنا سراسر غلط ہے۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ کوئی شوروغل نہ کرے۔ شانتی سے سنے تو ہر جگہ آتما ایک ہے۔ پھر بیل گائے اور مینڈک جس نالی کا پانی پیتے ہیں اسے آدمی کیوں نہیں پیتا جبکہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اس لیے مہاراج ایسا ہے کہ

ایک رام دشرتھ کا بیٹا

دوجا رام گھٹ گھٹ میں بیٹھا

تیجا رام کا سکل پسارا

چوتھا رام سو نیارا ہی نیارا

بابا نے ہاتھ جوڑ کر گذارش کی کہ جو کچھ پوچھنا ہے کیرتن کے بعد پوچھئے۔ کیرتن میں رکاوٹ نہ ڈالئے۔

مگر ویڈیا کاکا (پگلا چاچا) ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس کی اپنی روحانیت جاری رہی۔ اس پر ہمیشہ پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے۔ اس لیے اسے ویڈیا (پاگل) کاکا کہا جاتا ہے۔ اس کی اور اس کے پانچ چھ ساتھیوں کی روحانیت ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ کسی سے کسی بھی موضوع پر بولتے ہوئے وہ اس میں روحانیت لے آتے۔ دھرتی شیش پر تو شیش ناگ کس پر؟ برہمانڈ میں شونیہ کتنے؟ سب سے بڑا شونیہ کونسا ہے؟ دھرتی کے کھنڈ (جزو) کتنے بھوگول یعنی جغرافیہ کاشی کھنڈ کیوں نہیں ہے؟ کتاب لکھنے والا کم جانکاری رکھتا شاید!

راہ چلتے آدمی کو روک کر ویڈیا کاکا اسے ہاتھ سامنے کرنے کے لیے کہتا۔ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے نام پوچھتا۔ سامنے والا آدمی زیادہ سے زیادہ دو انگلیوں کے نام بتاتا۔ انگوٹھا اور چھنگنی۔ بیچ کی انگلیوں کے نام نہ بتانے پر ویڈیا کاکا اسے بدھو کہتا کہ بھائیوں کا تو نام جانتا ہے مگر اپنے جسم کا علم نہیں ہے۔ لاعلمی کا اندھیرا عضو عضو میں بھرا ہوا ہے۔ اسی لیے یہ حالت ہوگئی ہے۔ تم گیانی بنو۔

ایک بار بھجن گانے والے ایک ماسٹر کو ہی بے وقوف بنا دیا۔ کاکا نے کہا: ''یوگے اٹھاوِیس ویٹے وری او بھا''۔ (اٹھائیس یگوں سے اینٹ پر کھڑا)۔ اس میں ''یوگے'' کا کیا مطلب ہے؟''۔

ماسٹر نے کچھ برسوں کا حساب کر کے بتایا کہ اسے ''یگ'' کہتے ہیں۔ کاکا اس کی ناسمجھی پر سختی سے بولے: ''یوگے اٹھاوِیس۔ کون سا یوگ؟ راج یوگ یا برہما یوگ؟ یا کرم یوگ؟ کس نے ماسٹر بنایا آپ کو؟'' آتما پنڈ میں ہے یا برہمانڈ میں؟

سب عناصر میں محیط ہو کر بھی مخفی ہے۔ ایسا گیتا میں کہا گیا ہے۔ وہ سب زمانوں میں یکساں ہے تو آدمی کتنا بھی بڑا ہو اسے ''مہاتما'' کہنا غلط ہے۔ انہیں روحانیت کا کچھ علم نہیں ہے۔ چلم پھونکتے ہوئے یہ لوگ کچھ بھی اوٹ پٹانگ بکتے رہتے ہیں۔ اسی لیے کوئی سادھو، عالم یا کیرتن کا ماہر نظر آتا تو کاکا اس کی عقل کو تول کر دیکھتے۔ گاؤں سے کبھی پھیری بھی نکالتے۔ گنّے کی گلوری بنا کر چھوٹے بچوں کو بانٹتے۔ عجیب عجیب جھنڈ لے کر گھومتے۔ ویڈیا کاکا ووٹ دینے کبھی نہیں جاتے۔ ووٹ اپنا ہے تو اسے دوسرے کو کیسے دیں۔ اپنی خاص پوشیدہ بات کیا ہم کسی کو بتاتے ہیں؟ شوہر بیوی کی کتنی پوشیدہ باتیں ہوتی ہیں۔ کیا کسی کو وہ بتاتے ہیں؟ اسی طرح اپنا خفیہ ووٹ اپنے ہی پاس رکھنا چاہیے۔ اسے دوسروں کو کیسے دیا جاسکتا ہے؟— ووٹ مانگنے والا پانچ منٹ سے زیادہ ان کی منطق کے سامنے نہیں ٹکتا تھا۔ یہ بکواس کون سنے!

اس روز بھی ویڈیا کاکا کی روحانیت زور شور سے شروع ہوگئی تھی۔ لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ بچے شور مچا رہے تھے۔ تبھی کچھ دوسرا ہی ہو ہلّا شروع ہوگیا۔ پٹیل، کوتوال، تو تیا مانگ اور دو تین پولیس والے بھیڑ میں کسی کو ڈھونڈتے ہوئے نظر آئے۔ پٹیل نے ساؤ جی میکھے کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ وہ سب گرام پنچایت کے دفتر کی طرف چلے گئے۔ لوگوں کی بے چینی بڑھ گئی۔ کیا جھمیلہ ہو گیا۔ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے اور کیرتن چھوڑ کر دفتر کی طرف دوڑ گئے۔

ساؤ جی میکھے کو دفتر میں داروغہ صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ داروغہ صاحب ابھی ابھی اس کے کھیت کے جھونپڑے سے پکڑ کر لائی گئی ہوسا سے پوچھتے ہیں:

''کیا تو اس آدمی کو پہچانتی ہے؟''

''ہاں صاحب، میرے کھیت کے پاس ہی اس کا کھیت ہے۔''

''یہ تیرے کھیت میں کل کس لیے گیا تھا؟''

''یونہی آیا تھا۔''

''کچھ کام نہیں تھا؟''

''نہیں صاحب''۔

داروغہ صاحب کی بینت تڑاخ کی آواز کے ساتھ اس کے جسم پر پڑی۔ وہ زور سے چیخی۔

''نہیں صاحب' میں نے ہی بلایا تھا.......''۔

'' کیا کام تھا۔ سچ بتا۔ ورنہ ختم کر ڈالوں گا۔ میں نظام کے زمانے کا خاص امین ہوں...''۔

داروغہ صاحب کونے میں رکھی شراب کی بوتل کو منہ لگاتے ہیں اور خالی کر کے پھینک دیتے ہیں۔

''کمینی کی اولاد۔ تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بول''۔

'' کڑوبا کو گھر لے جانے کے لیے بلایا تھا صاحب''۔

'' کڑوبا زندہ تھا یا مردہ؟''۔

''مرا ہوا تھا صاحب۔ مگر میں نے نہیں مارا تھا''۔

داروغہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ تڑاتڑ بینتوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اس نے ہوسا کے بال بھی کھینچے۔

''بول رنڈی بول۔ تو نے ہی اس کو خلاص کیا ہے۔ اینڈ رین پلا کر۔ بے حیا۔ حرافہ۔ ہمارے آدمیوں کو بھی پاگل بنایا۔ پنچنامہ جھوٹا کیوں دیا؟ گاؤں کے کس آدمی کا ہاتھ ہے بول''۔

'' پولس والوں نے خود کیا ہے صاحب۔ میں نے جھوٹ لکھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔'' داروغہ نے بینت کو پھر حرکت دی۔ ساؤ جی کو سامنے کھینچا۔ جمعدار اور دو تین سپاہی گھبرا کر لوگوں کو دور ہٹانے لگے۔ تبھی پھٹاک سے دروازہ بند ہو گیا۔ دفتر سے ساؤ جی اور ہوسا کے زور زور سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ داروغہ مسلسل گرج رہا تھا۔

ایک پولس والا پٹیل کے کان میں پھسپھسایا ''پٹیل — اب جمعدار مر گیا سمجھو۔ پنچنامہ میں اسی نے غلطی کی ہے''۔

'' آپ پولس والے لالچی ہیں۔ کون سے کیس میں کھانا ہے۔ کس میں نہیں لینا ہے۔ کس میں سچ جھوٹ کرنے کا ہے، کچھ سوچتے ہی نہیں''۔

''مگر پٹیل پہلے اسی عورت نے پیٹ گرایا تھا۔ اس جھمیلے کا چرچا ہو گیا۔ ہم لوگوں نے ہی کسی طرح دبا دیا۔ آپ نے کہا تھا جانے دو۔ اس لیے بھی۔ میں ڈر رہا ہوں کہ وہ جھمیلہ

ساؤ جی جانتا ہے۔ اب اگر اس نے صاحب کے سامنے منہ کھول دیا تو میں بھی مارا جاؤں گا— زندگی میں بہت سے پولس تھانے دیکھے۔ گاؤں دیکھے۔ لیکن ایسا گاؤں اور ایسی ہوسا کبھی دیکھنے میں نہیں آئی بھائی''۔

ہوسا جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ کچھ کھیتی ہے۔ وہیں پر جھونپڑی بنا کر رہتی ہے کبھی کبھار گاؤں میں بھی آیا کرتی ہے۔ کڑوبا کھیتی کے کاموں میں مدد دیتا تھا۔ بہت برسوں سے اس کے یہاں رہتا تھا۔ وہ عمر میں اس سے چھوٹا تھا۔ ہوسا نے اس کے سارے شوق پورے کئے۔ اپنے ساتھ سلایا بھی۔ ہوسا کی جھونپڑی کی تاریخ کے ہر صفحہ پر کڑوبا تھا۔ لیکن اسے اینڈرین پلا کر مار ڈالا گیا۔ جان بوجھ کر۔ غیر متوقع۔ چھوٹی چھوٹی ٹولی بنا کر لوگ دفتر کے آس پاس ہنومان جی کے چبوترے کے کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں:

''کمال کر دیا بھائی اس بائی نے۔ دنیا میں ایسی عورت نہیں ہوگی۔ کتنے ہی جھمیلے کر دیئے اور سب کو ہضم کر بیٹھی۔ کڑوبا کا قتل نہیں کرنا چاہئے تھا''۔

''کتنا جی لگایا تھا اس سے۔ اس کے بغیر کھانا نہیں کھاتی تھی۔ اسے گود میں بیٹھا کر پان کا بیڑا کھلاتی تھی۔ کیا کچھ نہیں کرتی تھی۔ وہ اسے مار ہی نہیں سکتی۔ گاؤں کے کسی آدمی کا ہاتھ ہے اس میں۔ یقیناً کوئی بہت بڑا لمبا معاملہ ہے''۔

''ہوگا یا نہیں ہوگا، اپنا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا ہے۔ کچھ عجیب ہی معاملہ لگتا ہے۔ اب کسی پر بھروسہ نہیں رہ گیا۔ مغل مسلمانوں کے زمانے میں تو گاؤں میں بھجن، پالکی، نام، ہفتہ، گاؤں بھوج سب کچھ ہوتا تھا۔ لوگ ان سب باتوں کو اب بھول گئے ہیں۔ اور اس آزاد ریاست میں ہم سبھی باتوں سے آزاد ہو گئے ہیں۔ کسی بات میں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ غلط دھندے بلا جھجک چل رہے ہیں۔ ایسی غلط باتوں سے گاؤں کی ترقی کیا ہوگی''۔

''بالکل صحیح کہا۔ گاؤں کو اوپر اٹھنا ہی نہیں ہے۔ دوسرے گاؤں آگے بڑھ گئے۔ ہم صرف انگلیاں چمکانا جانتے ہیں۔ خود میں کچھ تبدیلی لانے کی چاہ کسی میں نہیں ہے۔ محنت مشقت چھوڑ دی۔ کام دھندہ چھوڑ دیا۔ ہزار طرح کی عادتوں کی وجہ سے گاؤں میں ہمیشہ چپقلش چلتی رہتی ہے۔ گاؤں کے شیخی بگھارنے والے کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے تو باقی لوگ ناچیں گے ہی۔ پہلے گاؤں کیسے ایک ڈور میں بندھا ہوا تھا۔ کچھ کم زیادہ ہو گیا تو ہنومان جی

کے چبوترے پر فیصلہ ہوتا تھا۔ جس کا پھل اس کو کو بھگتنا پڑتا تھا۔ کوئی بھی آواز نہیں اٹھاتا تھا۔ وہ ساولی رام۔ سالا مادر ....اس نے اپنی پالتو کتیا کو باندھ کر ہوس مٹائی تھی۔ یقین نہیں آئے گا مگر بات سچ ہے۔ ہمارے سامنے یہ سب ہوا۔ اس کی ذات برادری کے لوگوں نے اسے ہنومان جی کے مندر میں پچیس روپے جرمانہ کیا تھا۔ آج گلے میں تلسی مالا پہنتا ہے۔ اس نے پھر کبھی غلط قدم نہیں اُٹھایا لیکن اب کوئی چوری کرے تب بھی کوئی کچھ نہیں بولتا۔ گھر جلا دے تب بھی کوئی دخل نہیں دیتا۔ جو بولے وہ بے وقوف—— دشمن۔"

"سچ ہے پاٹل۔ اپنے گاؤں کا حساب ہی غلط ہو گیا ہے۔ بوائی کے دوران پہلے بھاگوت کی کھیتی کے اوزار لکڑی۔ باردانہ۔ تھپالی میں آگ لگا دی گئی۔ اس نے ہمیشہ بھلے کی بات کی تھی۔ گاؤں کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ کبھی کسی کا برا نہیں کیا۔ اس گاؤں میں اب سانچ پر بھی آنچ آنے لگی ہے"۔

"سب کے بعد بوائی کرنے پر بھی گاؤں میں سب سے زیادہ فصل اسی کی ہوئی"۔

"بھاگوت جیسے دو چار لوگ ہی اپجانا جانتے ہیں۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے والوں میں نہیں ہے۔ اسی لیے دوسروں کو پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا"۔

"اور کیا! سرکار ہمیشہ کہتی ہے کہ بھائیوں، پیسہ لے لو۔ بیج لے لو۔ اناج اپجاؤ۔ وہ ہائے بریڈ یا فائے بریڈ کیا ہے، دوسرے گاؤں میں ایک بیگھہ زمین میں پچیس تھیلے اناج پیدا ہوا۔ اپنے گاؤں کے بھی کچھ لوگوں کی اچھی پیداوار ہوئی۔ مگر باقی لوگوں نے زمین کو سوکھا ہی رکھا۔ بیج کھاد بیچ کر کھا گئے۔ وصولی کے لیے افسران آئے تو کہنے لگے کہ ہائے بریڈ ہمیں خراب دیا گیا۔ زمین میں فصل ہی نہیں ہوئی۔ پیسے کہاں سے چکائیں گے۔ زمین دیکھو سوکھی پڑی ہے"۔

"پانچ دس لوگوں نے ہی اپجایا—— اور باقی لوگ سوتے رہے۔ سرکار کا بولنا کہ تم کتنا بھی پیسہ پھینکو، سمجھاؤ۔ بیاؤ، ہماری نگری کو اس کی فکر نہیں ہے، نہ دکھ ہے، نہ درد"۔

"تین سال پہلے گرجابا کا گھر جلانے کا بھی جھمیلہ ہوا تھا۔ موٹر بھر کر پولس آئی تھی"۔

"گرجابا کے مکان کو کسی نے عداوت یا دشمنی سے نہیں جلایا تھا۔ بلاوجہ ہی ان لوگوں کو پیٹا گیا"۔

"لوگ کہتے ہیں کہ گرام پنچایت کے چناؤ کے وقت سے ہی جھمیلہ چل رہا تھا۔ اسی لیے آگ لگا دی گئی"۔

’’تمہیں اصل بات نہیں معلوم ہے۔ وہ جھمیلہ دوسرا ہے۔ جھپر و سنار کی عورت کو جانتے ہو۔ وہ بانجھ ہے۔ اسی کا یہ کام ہے۔ اسے بچہ نہیں ہوتا تھا۔ بانجھ ہے تو ہوگا کیسے؟ اس دن اماوس کی آدھی رات میں اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ٹیکہ لگایا، لیموں کاٹا، گلال چھڑکا۔ گرجابا کے گھر میں زچہ اور بچہ کھڑکی کے پاس سوئے ہوئے تھے۔ چولی سلگا کران پر پھینک دی۔ حمل رہنے کے لیے اس نے ہزار طریقے اپنائے۔ کسی جوگڑے نے اسے یہ گرومنتر دیا تھا۔‘‘

’’اچھا! تو یہ بات ہے۔ ہم تو اس ہوسا کو ہی ہمت والی عورت سمجھ رہے تھے۔ عورت ذات کی یہ ہمت‘‘۔

’’ایسا نہیں ہے بھائی۔ زمانہ بہت خراب ہوگیا ہے کل کیا ہوگا اس کا بھروسہ نہیں رہ گیا۔ سگے بھائی پر بھی نہیں۔ یہ بات ایکناتھ مہاراج نے بہت پہلے کہہ دی ہے:

نرگن نراکار دادا ماہور میرا گاؤں
سگن کہنے آگئی یمائی میرا نام......
دھرتی پر دادا ایک وِپریت ہوگا
بھائی بہن دونوں کا — وواہ ہوگا
پانچ برس کی چھوری بھرتار (شوہر) مانگے گی
چھ برس کی ناری گربھنی رہے گی
اور ایک دادا میرا سن لینا بول
سنسار میں ہوگا بڑے طوفان کا زور
بڑے بڑے پہاڑ دادا اڑ جائیں گے
اٹھارہ جاتی (ذات) کے لوگ ایک ٹھور کھائیں گے
کلجگ کا دادا سن لینا بڑو پتن
پُتر ہو جائے گا اپنے پتا کا دشمن
بھرتار کو چھوڑ گھر گھر بھٹکے گی نار
آکار پورا ہو جائے گا ہو جائے گا نراکار
چند سور یہ جائیں گے ہو جائے گا اندھکار

یہ ساری خرابیاں آج ہمارے سامنے دکھائی دے رہی ہیں۔ سنت مہنتوں نے انہیں پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ ایکناتھ مہاراج کو اپنے زمانے میں پاگل کہا گیا ہوگا۔ پیٹھن کے بزرگوں

نے مارا پیٹا ہوگا۔ اس طرح نامبارک کیوں بولتے ہیں۔ کیسے پوری دنیا کا مستقبل بتا دیا۔ بالکل صحیح۔ ایکناتھ مہاراج نے جو لکھا ہے، حرف حرف سچ ہے۔ اسے کہتے ہیں گیانی''۔

''پاٹل اس طرف آئے تھے کیا؟''۔ توتیا مانگ قریب آتا ہوا بولا۔

''پاٹل ادھر کیوں آئے گا۔ تو ہی کچھ سننے کو آیا ہوگا کسی بہانے۔ اتنا بڑا جھنجھٹ کھڑا ہوگیا ہے اس لیے پاٹل ادھر کیسے آئے گا؟''۔

''یہی تو مصیبت ہے، لوگ مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے۔ ممبر بن جانے پر بھی وشواش نہیں کرتے۔ پاٹل کب سے گاؤں کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ جمعدار نے بھیجا ہے۔ سن رہا ہوں کہ ایک ہی ٹھکانے پر باپ بیٹے کا معاملہ چل رہا ہے۔ اس رنڈی کو مار مار کر سب تھک گئے مگر ساؤ جی نے ضرور کچھ کہہ دیا ہے۔ داروغہ صاحب نے اس کا بیان لکھا بھی ہے۔ میں نے کھڑکی کی دراڑ سے خود دیکھا ہے۔ جمعدار نے بھی دیکھا ہے اسی لیے گھبرا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جمعدار نے ہی پاٹل کو گاؤں میں بھیجا ہے۔ کچھ کالے کارنامے کا بھید ضرور ہے''۔

''ساؤ جی نے کیا کہا ہے؟''۔

''ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ بے سدھ پڑا ہے۔ اس کی ہڈی پسلی ڈھیلی ہوگئی ہے۔ صبح سویرے پولیس والے اسے تھانہ لے جارہے ہیں۔ وہ رنڈی سر نیوڑھائے کونے میں بیٹھی ہے۔ سوچ میں ڈوبی ہوئی۔ گویا پولیس والے اسے تھانہ سے حیدرآباد لے گئے تب بھی کوئی بات نہیں ہے''۔

رات کے دو بج چکے تھے۔ کیرتن کے لیے آئے ہوئے لوگ یہ نیا کیرتن سن کر تتر بتر ہوگئے۔ توتیا مانگ کے آنے پر ہنومان جی کے چبوترے کے پاس کا جماؤ بھی انگڑائیاں لیتے ہوئے بکھر گیا۔

کیرتن کرنے والے مہاراج سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ روحانیت اور پولیس کا دوطرفہ جھمیلہ شروع ہوگیا تھا۔ بھاگوت کیرتن کرنے والے کو گھر لے آیا۔ کچھ دیر پرانوں پر باتیں ہوئیں۔ بھاگوت نے بابا سے کہا: ''میں پڑھا لکھا ہوں۔ پھر بھی مجھے ان سب باتوں میں اور کیرتن میں دلچسپی ہے۔ ہمارے یہاں دیوی کے مندر میں وِٹھل مہاراج تھے۔ سنا ہوگا آپ نے ان کا نام۔ ایسا گیانی اور سچا آدمی مجھے دوسرا نہیں ملا۔ مہاراج سال بھر ہی رہے مگر اپناپن ایسا دیا جیسے برسوں کا ساتھ رہا ہو۔ اور پھر کیا ہوگیا کچھ پتہ نہیں چلا۔ بغیر کہے ایک دن چلے

گئے۔ مجھے ان کے بغیر چین نہیں۔ گیا نیشوری، شری مد بھاگوت، مندر میں مسلسل چلتا رہتا تھا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ گیا نیشوری کی ایک اودی (چھند) لیتے اور الفاظ کی گنگا بہاتے رہتے۔ بالکل ندی کے بہاؤ جیسا ان کا بولنا ہم پانچ دس لوگ روزانہ سنتے تھے۔ ایک بار مہاراج کے ساتھ کارتک مہینہ میں آلندی جانا ہوا تو لوٹ کر آنے کی چاہ نہیں رہی کیونکہ مہاراج کی آلندی میں عزت و مقبولیت بہت زیادہ تھی۔ ان کے چرنوں پر کتنے ہی سنت مہنتوں کو لوٹتے دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ مجھے لگا کہ انہیں وہیں رہنا چاہئے۔ ہمارے گاؤں میں کیا رکھا ہے مگر مہاراج نہیں مانے۔ وہ کہاں سے آئے۔ یہاں اتنے دنوں تک کیوں رکے۔ اتنا اپناپن بڑھ جانے کے باوجود اچانک بغیر کچھ کہے کہاں چلے گئے۔ یہ سب کچھ ان کے گیان جیسا ہی عجیب و غریب ہے— ان کی یاد بہت آتی ہے۔'' بھاگوت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ باباجی کا بھی گلا رندھ گیا— اس دھرتی پر کچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں۔

رات کافی ہو چکی تھی۔ کیرتن کرنے والے بابا کو نیند آرہی تھی۔ انہیں کھانا کھلانے کے بعد بیٹھک کے برآمدے میں بستر بچھا دیا گیا۔ پھر کمرے میں لالٹین ٹانگ دی گئی۔

پاس کے بستر پر گنگا آکر سوگئی تو بھاگوت نے اس کے بدن پر چادر ڈال دی۔ اسے نیند آرہی تھی۔ مہاراج کی یاد نے آج پھر بے چین کر دیا تھا۔ اس نے لیٹے لیٹے دیکھا، لالٹین کے پاس حاملہ عورت کے چکنے بدن جیسی چھپکلی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور پتنگے پر جھپٹا مار کر چلی گئی۔ لالٹین ہلنے لگی۔ بازو کے کونے میں روز شام کو آکر بیٹھنے والی چڑیا پھر سے اُڑ گئی اور کمرے میں چکر کاٹنے لگی۔ کافی دیر بعد اپنی جگہ پر پروں کو سمیٹ کر بیٹھ گئی— بھاگوت ایک ٹک چڑیا کی طرف دیکھے جارہا تھا— سناٹا— ہلکا پھیکا اندھیرا— تبھی— جھن سے چوڑیاں کھنک اٹھیں، بھاگوت نے چونک کر دیکھا۔ گنگا بے خبر سوئی ہوئی تھی۔ پھر چوڑیوں کی آواز کہاں سے آئی۔ تبھی کواڑ پر ٹک ٹک کی آواز ہوئی۔ اس نے آہستگی سے کواڑ کھول دیا۔

ہوسا—!

بھاگوت کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ ہوسا نے اس کے پیر پکڑ لئے۔ بھاگوت کی گھگھی بند گئی۔ بڑی مشکل سے وہ اس کے ہاتھ کو دور ہٹانے میں کامیاب ہوا اور اسے اندر لے آیا۔ ہوسا کے ہاتھوں میں بیڑی لگی ہوئی تھی اور پیچھے رسی لٹک رہی تھی۔ چہرہ کمھلایا ہوا تھا۔ خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

''بھاگوت ذرا گھر کے باہر چلنا ہے۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔''

''اس وقت؟''۔

''ہاں، جلدی''۔

''صبح ملیں تو......''۔

''ہونے ہی والی ہے۔ چلو، جلدی کرو۔ مجھ پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ میں نے تمہیں کبھی دھوکہ نہیں دیا ہے۔''

آواز سن کر گنگا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی۔ بھاگوت کے قدم باہر جاتے جاتے رک گئے۔ ہوسا نے ساڑی کے اندر کمر کے پاس ہاتھ ڈال کر کالا تاگہ توڑا اور سونے کا ایک چاکور تعویز نکال کر بھاگوت کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ لالٹین کے پاس جا کر تعویز کو دیکھنے لگا۔ پھر چونک پڑا۔ یہ سونے کا تعویز اس نے ہی بنوا کر مہاراج کو دیا تھا اس پر گیا نیشوری کی تصویر تھی۔ ہوسا نے ڈبیہ نما اس تعویز کو کھولا اور اندر سے تہہ کی ہوئی چٹھی نکال کر بھاگوت کو دیدی۔ وہ اسے جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ مہاراج کی تحریر تھی — بھاگوت پسینہ پسینہ ہو گیا۔

''کس کی چٹھی ہے؟ پہچانا؟''۔

''ہاں۔ مگر مہاراج کہاں ہیں؟''۔

''اسی لیے کہہ رہی ہوں۔ ذرا باہر چلو۔ وقت میرے پاس زیادہ نہیں ہے۔ قریب کی باڑی میں جائیں گے۔ مجھ پر پولیس نظر رکھے ہوئے ہے۔ وہ تھوڑی دوری پر کھڑی ہے۔''

''تم کیسے آئی؟''۔

''پولیس ساتھ میں ہے۔ اس کا میرا پرانا رشتہ ہے۔ وہ میری بات مانتی ہے۔ پولیس کا صاحب سو گیا ہے اور میں یہاں ہوں۔ پولیس جانتی ہے کہ میں بھاگ نہیں سکتی''۔

''ٹھیک ہے۔ گنگا کواڑ اندر سے بند کر لو۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

''جلدی آیئے گا۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے گا۔''

نزدیک کی باڑی دونوں پہنچے۔ باہر کچھ دوری پر پولیس والے اور کوتوال بیٹھے ہوئے تھے۔

''چٹھی تو پہچان لی ہے نا بھاگوت؟''۔

''ہاں۔ مگر یہ تمہارے پاس کیسے آئی؟''

''بتاتی ہوں۔ لیکن تمہیں یقین ہے نا کہ یہ مہاراج جی کی ہی ہے۔''

''سو فی صدی۔ مگر یہ کسی کے نام ہے؟''

''سب کچھ بتاتی ہوں۔ پہلے ایک بات دھیان میں رکھو۔ اس ہوسا کے بارے میں تمہارے من میں شک وشبہہ ہو تو دور کرلو۔ جو کچھ تم نے سنا یا سوچا ہوگا اسے نکال دو۔ ہاں تو سنو میں کبھی کبھی دیوی کے درشن کے لیے آیا کرتی تھی۔ خاص کر منگل کو۔ تم نے بھی دو ایک بار مجھے وہاں دیکھا ہوگا۔ دیوی کے مندر میں تم پندرہ بیس لوگ گیا نیشوری سننے کے لیے آیا کرتے تھے اور دیوی کے درشن کے لیے گاؤں بھر کے لوگ آتے رہتے تھے۔ ایک بار پانچ سات عورتیں آگئیں۔ ان میں ساگرمل سیٹھ کی بہو بھی تھی۔ ہیرے کی کنی جیسی۔ تم نے دیکھی نہیں ہوگی۔ مہاراج چنچل ہو اٹھے۔ جسم کے اندر کے پاگل پن کو نہیں روک پائے — منگل کے دن شام ڈھلے میں دیوی کے درشن کے لیے گئی۔ مندر میں درشن کیے۔ باہر املی کے پیڑ کے نیچے مہاراج بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درشن کر لئے۔ وہیں پر مہاراج نے میرے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے۔ میں زور سے چیخنا چاہتی تھی مگر آواز ہی نہیں نکلی۔ اپنی آنکھوں پر مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ مہاراج پیر پکڑنے لگے پھر ساگرمل کی بہو کو دیکھنے کے بعد سے اب تک کی اپنی کیفیت انہوں نے بیان کر دی۔ میں نے التجا کی کہ مجھے بخش دیں اور خود کو قابو میں رکھیں۔ مگر مہاراج اپنے آپ میں نہیں تھے — اس پکڑا پکڑی میں ہم دونوں کے بدن ٹکراتے رہے اور جو نہیں ہونا چاہیے تھا وہ ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد پیٹ میں پاپ پلنے کی بات میں نے مہاراج سے کہی تو وہ بہت ڈر گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ میں نے انہیں ڈھارس بندھائی۔ کہہ دیا کہ چاہے کوئی مجھے کاٹ ڈالے بھی آپ کا نام نہیں بتاؤں گی۔ لیکن انہیں یقین نہیں آیا۔ وہ پاگل تو نہیں ہوئے مگر پاگل جیسی باتیں کرنے لگے۔ اور پھر دو تین دن کے اندر مندر میں تمہارے لیے چٹھی چھوڑ کر چلے گئے۔ اس دن میں وہیں تھی۔ کئی اور لوگ مندر میں تھے اسی لیے یہ چٹھی تعویز میں چھپا کر رکھ لی شاید ان کا خیال تھا کہ میں پڑلکھ سکتی ہوں۔

کھیت میں کڑوبا سے میں نے چٹھی پڑھوائی۔

بعد میں پیٹ کے بوجھ سے نجات حاصل کی۔ وہ بھی کڑوبا کی مدد سے۔ کڑوبا اس راز کو افشانہ کردے اس لیے اسے جان سے زیادہ عزیز بنا لیا۔ اپنے نوالے میں سے اسے نوالا دیا۔ صرف مہاراج کے لیے اور تمہارے لیے بھی — ساری دنیا جانتی تھی کہ تم اور مہاراج دو نہیں تھے۔ پھر بھی ایسا لگا جیسے اندھیرے کی آنکھ نکل آئی ہے۔ مگر اس وقت سب برداشت کر گئی۔ ان پولیس والوں سے بھی نمٹ گئی۔ مجھے اپنی بدنامی کی فکر بالکل نہیں تھی۔

لیکن پرسوں اچانک کڑوبا کو نہ جانے کیا ہو گیا۔ دارو پی کر اس کی زبان کھل گئی۔ چٹھی کی باتیں بڑبڑانے لگا۔ مانتا ہی نہیں تھا۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے سوچا مہاراج کی، بھاگوت کی عزت سے بڑا کڑوبا نہیں ہے— آج مجھے سب کچھ منظور ہے بھاگوت۔ ساری زندگی کے لیے اب بے عزت ہو گئی۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ مہاراج اس طرف کبھی نہیں آئیں گے۔ پھر بھی ان کو جو قول دیا تھا۔ ان سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پوری ایمانداری سے نبھاؤں گی''۔

ہوسا بولتے بولتے رُک گئی۔ بھاگوت جیسے سُن ہو گیا تھا۔ اسے جھنجھوڑتے ہوئے ہوسا بولی کیا ہو گیا تمہیں؟ زندگی میں ایسی ویسی باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔ تم ابھی چھوٹے ہو۔ دیکھو وقت بہت کم ہے سب سے ضروری بات باقی رہ گئی ہے۔

''کون سی ضروری بات؟''۔

''یہی بات میں دنیا کے سامنے نہیں آنے دوں گی۔ لیکن گاؤں میں عجیب کھلواڑ چل رہا ہے''

''کیا؟''۔

''پاٹل کل گاؤں کے لوگوں سے ملا۔ پھر پولیس والے بھی ملے''

''کیا کہتے ہیں؟''

''خرگوش کی اپنی چال' شکاری کی اپنی چال۔ چنڈال چوکڑی نے سازش رچی ہے۔ مجھے کہلا بھیجا ہے کہ اُس گرائے ہوئے پاپ سے لال جی کا نام جوڑ دوں۔ بس وہ اتنا ہی چاہتے ہیں اور مجھے پیسے کا لالچ دے رہے ہیں۔''

''باپ رے''۔

''لیکن تم کیوں ڈر رہے ہو؟ اتنی مار پڑی تب بھی مجھے پرواہ نہیں۔ کسی کو پانی نہیں مانگنے دوں گی۔ لال جی کو سازش میں الجھایا تو تم بھی دیر سویر چکر میں آجاؤ گے۔ پولیس والے بھی ایسا ہی چاہتے ہیں''۔

''تو اس طرح کی سازش رچی جا رہی ہے''۔

''یہی تمہیں بتانے آئی ہوں۔ لال جی کو خبردار کر دو۔ یا فی الحال کہیں باہر بھیج دو۔ دو چار دن کے لیے ہی سہی۔ میں سولہ آنے پکّی ہوں۔ سنا ہے۔ کل صبح مجھے اجنتا پولیس تھانہ لے جا رہے ہیں۔

''پھر کیا کرو گی؟''

''کسی نے ضمانت دی تو رہائی۔ اس کے بعد کیس لڑنے عدالت جاؤں گی۔''

''میں ضمانت لوں گا''۔

''نہیں تمہاری وجہ سے شک بڑھ جائے گا''۔

''جو بھی ہو۔ کوئی کچھ بھی کہے۔ میں آجاؤں گا''۔

''میری مانو بھاگوت۔ میں خود کو دیکھ لوں گی''۔

''میں بھی خود کو دیکھ لوں گا''۔

''اچھا اب چلتی ہوں۔ اور ہاں، مہاراج کی قسم، تم نے اپنی بیوی یا کسی اور کو بھی کچھ بتایا تو—''۔

''تم اب جاؤ''۔

کچھ دوری پر باڑے کے پاس کوتوال اور دو پولیس والے لالٹین لیے بیٹھے تھے۔ ہوسا ان کے قریب چلی گئی— بھاگوت کافی دیر تک اندھیرے میں ڈوبتی ہوئی اس کی پرچھائیں کو دیکھتا رہا۔ اس کی تو جیسے کمر ہی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ وہیں پر اندھیرے میں بیٹھ گیا۔ کیلے کے پتے ہوا سے ہل رہے تھے اور طرح طرح کی تصویریں بنا رہے تھے۔ بھاگوت کو نہ تو اپنی آنکھوں پر یقین آرہا تھا اور نہ کانوں پر۔ پھر بھی جو سامنے آچکا تھا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پروچن (وعظ) کرتے ہوئے مہاراج جی، آلندی میں مہاراج جی، گپ شپ کرتے ہوئے مہاراج جی— ہوسا سے ملتے ہوئے مہاراج جی! کون جانے کل کیا ہونے والا ہے؟ لال جی کو گلے لگایا تو جھمیلے اور بڑھ گئے۔ اس گاندھاری کی قسمت میں دُریودھن کا جمگھٹ بڑھا۔

بھاگوت کالے اندھیرے میں بھٹکتا رہا اور رات آگے بڑھتی رہی۔

6

خزاں کے دن آ گئے تھے۔ جوار باجرے کی کٹائی صفائی ہو چکی تھی۔ موسم کی مایوسی آنچل کی طرح چھائی ہوئی تھی۔

گاؤں پر بھی اداسی کے بادل تھے۔ حوصلے کا زور پست ہو گیا تھا۔ دو تین سال سے برسات نہیں کے برابر ہو رہی تھی۔ اور بوائی نہیں ہو پائی تھی۔ پولا (بیلوں کا تیوہار) سے پہلے برسات رخصت ہو جاتی تھی۔ جن کی زرخیز کالی زمین ہے، باغ باغیچے ہیں وہ تو کسی طرح نبھا لیتے ہیں۔ ہلکی زمین والے کسانوں کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ انہوں نے اپنی کھیتی کی طرف توجہ کم کر دی ہے۔ دوسرے ہی شوق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ گاؤں میں سیاست ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی ہے جس سے کھیتی باڑی کا ستیاناس ہو رہا ہے۔ کھیت میں جتنا لگاتے ہیں اتنا واپس نہیں آتا ہے۔ اس کے باوجود کھیتی کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اور گھر گرہستی، شادی بیاہ، موت ماتم انہیں کیسے نبھایا جائے؟ جتنا قرض پا سکتے تھے بھی بینکوں سے لے چکے۔ اب مانگنے کی گنجائش نہیں بچی تھی۔ رقم ادا نہیں کر سکے اس لیے دوبارہ مانگنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ لوگوں کی حالت عجیب ہو گئی ہے۔ ان دنوں لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے گاؤں کی تصویر ڈراؤنی لگتی ہے۔ کچھ لوگ کچی پکی جیسی بھی فصل ہوتی ہے اسے کاٹ کر اپنا بستر باندھ لیتے ہیں۔ گھر میں تالا لگا کر دور دیش گجرات، ممبئی، اندور وغیرہ کام دھندہ کے لیے جانے لگے ہیں۔ پھر اگلے سال شروع برسات میں بوائی کے وقت لوٹ آتے ہیں۔ گاؤں میں یا آس پاس کے کسی گاؤں میں سڑک یا تالاب کا کوئی کام نکلتا ہے تب بھی وہاں نہیں جاتے۔ کیونکہ آس پاس یا گاؤں میں رکے رہنے سے قرض داروں کا بھوت پیچھا کرتا ہے۔ ان دنوں گاؤں میں جیپ اور کاریں بھی بہت آیا کرتی ہیں۔ تحصیل کا قرض، پنچایت سمیتی کا قرض، زراعتی بینک، مارکٹنگ سوسائٹی اور فروٹ سیل کا قرض۔ سب کے حاکم حکام کاریں لے کر وصولی کے لیے دوڑتے ہیں۔ دو تین سال سے فصل اچھی نہیں ہو رہی ہے۔ نئے قرض داروں پر اور پرانے قرض داروں پر دباؤ ایک جیسا ہے۔ سب کی بے عزتی کھلے عام ہوتی ہے۔ خود سے قرض چکانے والے تو شاید و باید ہی ہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں کہ فصل ہونے پر بھی جان بوجھ کر نہیں چکاتے۔ گاندھاری کی خاص

بیٹھکوں میں ایک بار انہوں نے سنا کہ سارا قرض معاف ہونے والا ہے اور نیا قرض ملنے والا ہے۔ لیکن جب بینک نے کچھ لوگوں کی کھڑی فصل کے ساتھ کھیت بھی قرق کر لیے تب بہت سے لوگوں کی آنکھیں کھلیں۔ گذشتہ سال کسی کے پانی کے انجن اور کسی کے گھر میں جتنا اناج تھا سب ضبط کر لیا گیا۔ چتر سنگھ امر سنگھ کے گھر کے برتن فروخت کے لیے بازار لے جائے گئے۔ گاؤں کی کچھ زیادتیوں کی وجہ سے ہی وہ لوگ اتنا چڑھ گئے تھے۔ بینک کی وصولی کو غیر قانونی بتانے کی دلیل دینے والوں کو بینک کے لوگ بھی قانون سکھانے کی ضد کر بیٹھے۔ اُن دنوں جیپ، کار آتے دیکھ کر بغیر یہ جانے کے کس کی ہے، جو راہ سامنے دکھائی دیتی لوگ اس سے گاؤں کے باہر بھاگ جاتے اور دو چار دن اُدھر ہی رہ جاتے۔ گھر میں تالا لگا ملتا۔

ایک بار وصولی کی گاڑی آگئی۔ قرقی ہونے کی بھنک سب کو مل گئی۔ دھوتی پہنے پائخانہ گئے دیش پانڈے وہیں سے بغیر قمیض پہنے، دوسرے گاؤں چلا گیا— جگدیو نے کہلا دیا کہ گھر میں نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کیلے کے باغ میں ٹھہر کر وہیں سے بس اسٹینڈ پہنچا اور جلگاؤں کی طرف بھاگ نکلا۔ گاؤں کے بڑوں کی یہ دوڑ دھوپ دیکھ کر باقی لوگ بھی بدحواس ہو کر بھاگنے لگتے— ایک بینک کی گاڑی کے چلے جانے کے بعد تیسرے دن دوسرے بینک کی گاڑی آجاتی۔ گاؤں کے قرضداروں کے مکانوں پر نوٹس چپکایا جاتا۔ کسی جگہ پر پورا دفتر کھول کر وہ لوگ بیٹھ جاتے۔ سوسائٹی کے سکریٹری اور چپراسی وغیرہ کو بلا کر تعینات رکھا جاتا۔ پھر کاغذات کی چھان پھٹک ہوتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ چیئرمین اور پنچ وغیرہ کے یہاں ہی زیادہ بقایہ نکلتا اور ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ باتیں بڑھ جاتیں۔ پھر گذشتہ سال جن پر دفعہ ایک سو ایک کی کارروائی ہوئی تھی ان کے گھر ڈھونڈے جاتے۔ سکریٹری ایک ایک کے بارے میں بتاتا جاتا۔ یہ گھر پر نہیں ہے۔ وہ باہر گیا ہوا ہے۔ یہ گاؤں چلا گیا ہے۔ وہ کئی مہینے سے بمبئی گیا ہوا ہے۔ فلاں کہتا ہے کہ اس نے قرض لیا ہی نہیں ہے— گھروں میں تالے لگے ہوئے ہیں فلاں فلاں گاؤں میں نہیں ہیں۔

لوگوں نے جب شمبھو مالی کے دروازے پر وصولی کرنے والے افسروں کا ہجوم دیکھا تو وہ تذبذب میں پڑ گئے۔ شمبھو مالی تو ویسے بھی غریب تھا۔ نہ کسی کے لینے میں نہ کسی کے دینے میں اپن بھلے اپنی گرہستی بھلی۔ کسی نے دو گالیاں دیں تب بھی چپ چاپ سننے والا۔ تھوڑی سی کھیتی تھی ایک جوڑی بیلوں سے مطمئن تھا۔ کبھی زیادہ قرض نہیں لیتا۔ جتنا لیا اتنا وقت پر چکا دیتا تھا— لیکن آج سر نیچے کیے رونی صورت بنائے شمبھو کونے میں خاموش بیٹھا تھا۔ وصولی

افسر تحصیل کے بینک انسپکٹر، سکریٹری، چپراسی، پنچ کے لوگ، پاٹھ شالا کے چھوٹے بچے، گلی میں تماشہ دیکھتی عورتیں۔ اس گلی میں لوگوں کا آنا جانا بہت کم ہوتا تھا۔

"کیوں شمبھو رقم دے رہے ہو نا؟ وصولی افسر نے پوچھا۔"

"نہیں صاحب میرے پاس چکانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ روئی بیچ کر سب کچھ پہلے ہی دے چکا ہوں"۔

"تو گھر کے اندر جو ملے، ہم لے جائیں؟" افسر نے پوچھا۔

"آپ کچھ بھی کہیئے صاحب۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ دال جوار کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے گھر میں"۔

"جو بھی ہو۔ ہم گھر کی تلاشی لیں گے۔ ورنہ رقم سیدھی طرح ادا کر دو"۔

"صاحب میں نے پانچ سو روپے دے دیئے ہیں۔ اور جو ہوگا بعد میں ادا کردوں گا۔ مجھ پر بھروسہ رکھئے۔ آپ ہی ہمارے مائی باپ ہیں۔ ہمارے صاحب ہیں۔"

"تم پر ہمارا بھروسہ ہے اسی لیے صرف پٹے نامے پر تم کو اتنی بڑی رقم دی تھی۔ تم لوگوں کی ساری باتیں مجھے زبانی یاد ہیں۔ چکانے کی بات آتی ہے تب بھی ایسا ہی کہتے ہیں اُدھر ہماری باز پُرس ہوتی ہے۔ تم کیا جانو۔"

"صاحب" مجھے اوروں میں شامل مت کیجئے۔ مجھ پر اتنا بقایہ نہیں ہے جتنا اوروں پر ہے"۔

"زیادہ ہوشیاری مت دکھاؤ دوسروں کے بقایہ سے تمہیں کیا لینا دینا ہے؟ لوگ ادا کریں یا نہ کریں۔ چلو اپنے مکان کی تلاشی لینے دو۔ سکریٹری، پنچوں کو گھر کے اندر بھیجو۔ گھر میں عورتیں ہوں تو انہیں باہر آنے کے لیے کہہ دو۔"

"میں ہاتھ جوڑتا ہوں صاحب رقم چکادوں گا"۔ شمبھو نے التجا کی۔

"جلدی چکاؤ۔ تم رقم دے رہے ہو اور ہم نہیں لے رہے ہیں کیا؟— ہمیں دوسروں کے بقایہ کی بات بتاتا ہے۔"

"صاحب اتنی بات سن لیجئے۔ ہم رقم نہیں رکھیں گے۔" گھر کے اندر سے شمبھو کی بیوی بولی۔

"عورت کی بات رعایت کیجئے صاحب۔ یہ چکا دے گا۔" سکریٹری نے سفارش کی۔

"یہ سکریٹری اپنی عقل کا اور سرکار کا دشمن لگ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے تین مہینوں میں صرف تین ہزار کی وصولی ہو سکی ہے۔ تم لوگ وصول کرنا ہی نہیں جانتے ہو۔ قرض کے عوض تمہاری تنخواہ جمع کرتا جاؤں کیا؟ — اور پنچ لوگ آپ کس کام کے لیے ہیں؟ کیا سوسائٹی کو "اے" درجہ سے "ڈی" درجے میں لے جانے کا ارادہ ہے؟ چیرمین تو جھانسا دے گئے۔ آپ لوگ ہی کچھ کیجئے گھر کے اندر جایئے"۔

بینک انسپکٹر، پنچ کے تین لوگ اور سکریٹری گھر کے اندر چلے گئے۔ شمبھوں کی بیوی گڑ گڑانے لگی۔ پنچوں سے کہنے لگی "دیکھئے یہ ایک تھیلا جوار ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ صاحب سے کہہ دیں میں جلدی جوڑ توڑ کر کے رقم چکا دوں گی۔"

لیکن پنچ کے لوگ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ ان کو خاموش دیکھ کر شمبھو کی عورت زور زور سے رونے لگی۔

"دیکھئے بہن جی، آپ گھر سے باہر آجائیں اس ناٹک سے کچھ نہیں ہوگا۔ سرکاری خزانہ کو آپ لوگ اپنا ذاتی خزانہ سمجھتے ہیں کیا" افسر نے کہا۔

"صاحب میں گاؤں کے کسی آدمی کی ضمانت دیتا ہوں۔ لیکن قرقی مت کیجئے۔" شمبھو پھر گڑگڑایا۔

"یہاں کے سب لوگوں کو میں جان گیا ہوں"۔

"ایسا نہیں ہے صاحب۔ آپ بھروسہ کیجئے۔ اچھا رکیے میں کوئی انتظام کرتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے، ہم یہی چاہتے ہیں کچھ بھی کرو مگر رقم ادا کرو"۔

شمبھو کچھ ہی دیر میں بھاگوت کو لے آیا۔ اس کی گھر والی نے بھاگوت کو مکان کے اندر بلا لیا۔

"یہ لوگ قرقی کر رہے ہیں۔ گھر میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔ یہ ایک تھیلا جوار ہے اسے بھی لے گئے تو کیا کھائیں گے۔ اگر برتن بھی لے گئے تو پھر کیا رہ جائے گا"۔ وہ رونے لگی۔

"اتنا مت گھبراؤ۔ ہم دیکھتے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ شمبھو نے کبھی کوئی رقم ادا بھی کی تھی؟ اور ہاں گھر میں کچھ بھی روپیہ ہے تو بتاؤ"۔

بھاگوت، تو میرے بیٹے جیسا ہے۔ تجھ سے جھوٹ نہیں کہوں گی۔ گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ گذشتہ سال بٹیا کی شادی کی تھی ابھی ایک سال ہی گذرا ہے کہ قسمت پھوٹ گئی۔

داماد نکما ہے کچھ نہیں کرتا ہے۔ الٹے بٹیا کو تنگ کرتا ہے۔ کھانے پینے میں تنگی کرتا ہے۔ اس گرہستی کی پوٹلی باندھ کر تھوڑے ہی لے جانا ہے، اسی لیے جو کچھ بچتا ہے اپنی اکلوتی بیٹی کو پہنچا دیتی ہوں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ ہم کسی کی رقم رکھنے والوں میں نہیں ہیں۔ اور یہ اپنے گلے میں تلسی کی مالا پہنتے ہیں اس لیے جھوٹ نہیں کہیں گے۔ بیٹی کی فکر نے انہیں پریشان کر دیا ہے کچھ دنوں سے رات میں دارو پینے لگے ہیں......''۔

''اچھا، اچھا۔'' بھاگوت اس کی بات کاٹ کر باہر نکل آیا۔

''انسپکٹر نے وصولی افسر سے اس کا تعارف کرایا'' یہ شندے صاحب ہیں۔ تحصیل کی وصولی کے لیے نئے نئے آئے ہیں — اور یہ بھاگوت راؤ اچھے کسان ہیں۔ میں نے ابھی ان کے بارے میں بتایا ہے''۔

شندے صاحب سے ملنے کے بعد بھاگوت سامنے کھاٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے شمبھو سے پوچھا کیا بات ہے کاکا۔ صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟''

''تم آگئے ہو۔ اب سب کچھ تم ہی سمجھو''۔

''ان کے یہاں چھ سو روپے باقی ہیں''۔ انسپکٹر نے بتایا۔

''انہوں نے کچھ بھی ادا نہیں کیا؟''

''چار سو دے چکے ہیں۔ دو سو سود میں جمع ہو گئے۔ قبل سے کچھ جرمانہ بھی تھا۔ باقی بچے ہوئے روپے جمع ہو گئے ہیں۔'' سکریٹری نے تفصیل بتائی۔

''کتنے سال سے قرض دار ہے یہ؟''۔ بھاگوت نے پوچھا۔

''پچھلے سال سے''۔ سکریٹری نے جواب دیا۔

''مطلب یہ کہ ایک سال سے زیادہ کا بقایہ نہیں ہے''۔

''لیکن سال ختم ہو گیا ہے۔ یہ جنوری کا مہینہ ہے ابھی نہیں وصول کریں گے تو کون سی فصل ملے گی؟''

''آپ جانتے ہیں کہ شمبھو ہمیشہ قرض ادا کرتے رہے ہیں۔ باقی نہیں رکھتے۔ اس بار بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہیں دے پا رہے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ پہلے ایک سو ایک کی کارروائی والوں کو تلاش کریں''۔

''آپ ایسی باتیں کریں گے تو ان لوگوں کو شہہ مل جائے گی۔ دوسرے لوگ گاؤں میں نہیں ملے۔ یہ کیسا گاؤں ہے''۔ اس بار افسر نے جواب دیا۔

"یعنی شمبھو گاؤں میں مل گیا اسی لیے اسے سزا دی جا رہی ہے۔ یہ تو اندھیر نگری ہے۔ سادھو کو سولی پر چڑھانے والی بات ہوئی"۔

"کس کو سزا مل رہی ہے، یہ ہم کیا بتائیں۔ ہمیں اپنی وصولی سے مطلب ہے"۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ ہزاروں کے قرض دار آج آپ کو دیکھ کر بھاگ گئے تو کیا ان کی فصل اور جائیداد بھی چلی گئی۔ کیا شمبھو کی اتنی چھوٹی سی رقم کی وصولی سے آپ کی تسلی ہو جائے گی؟ شمبھو کی مجبوری کو سمجھنا چاہیے"۔

"ہم اپنے اوپر والوں کو اس طرح جواب نہیں دے سکتے"۔

"میں پوچھتا ہوں شمبھو کو ہی کیوں تاک رہے ہیں۔ اس گاؤں میں آٹھ آٹھ سال کے قرض دار ہیں جو کبھی کبھار صرف سود دیا کرتے ہیں"۔

"دیکھیے بھاگوت راؤ۔ ہم خالی ہاتھ نہیں لوٹیں گے۔ آپ جیسے لوگ بھی وصولی کے کام میں رکاوٹ ڈالنے لگے تو پھر......."۔

"یہ آپ کو غلط فہمی ہے شندے صاحب۔ شمبھو میرا رشتہ دار نہیں ہے۔ یہ میرا کوئی بھی نہیں ہے۔ میں نے اس لیے حمایت کی ہے کہ یہ ایک بھلا آدمی ہے"۔

"تو پھر آپ ادا کر دیں اس کی رقم"۔

"شمبھو ہی ادا کرے گا۔ اسے مہلت دیجیے"۔

"یعنی آپ اس کی ذمہ داری نہیں لے رہے ہیں"۔

"وہ دے سکتا ہے اسی لیے کہا۔ فی الوقت اس کے گھر میں ایک تھیلا جوار ہے۔ اسے لے کر کیا آپ کی وصولی پوری ہو جائے گی"۔

"اتنا تو آجائے گا"۔

"دیکھیے۔ یہ آپ کی زیادتی ہے"۔

"آپ کو بُرا لگ رہا ہے تو ذمہ داری لیجیے"۔

"آپ برابر ذمہ داری کی بات کیوں کر رہے ہیں میں نے جب ذمہ داری لی تھی تب ہزاروں کی ذمہ داری نبھائی تھی— ٹھیک ہے، میں ابھی اس کی رقم ادا کر دیتا ہوں۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ایک انسان دوسرے کے لیے کچھ نہ کرے۔ مگر اتنا جان لیجیے کہ اس کے بعد گاندھاری گاؤں میں آپ اپنی ذمہ داری نہیں نبھا سکیں گے"۔

"یہ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے"۔

''اچھی بات ہے، اچھی بات ہے شمبھو کی رقم ابھی بھیج دیتا ہوں''۔ بھاگوت اُٹھ گیا۔
''شری گنیش تو ہوا۔ چلو اب سوسائٹی کے دفتر میں بیٹھیں گے''۔
''بھاگوت کی بات مان لینی چاہیے تھی شندے صاحب۔ آپ نے زیادہ طول دے دیا۔'' انسپکٹر بولا۔
''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ڈر کر کچھ نہیں ہوتا۔ تم ابھی ناسمجھ ہو''۔
''نہیں جناب میں ناسمجھ نہیں ہوں۔ گاندھاری کے ہر شخص کی نبض پہچانتا ہوں۔ آپ نئے نئے آئے ہیں اس لیے نہیں معلوم کہ یہاں صرف دو تین ہی قرض دار ایسے ہیں جو وقت پر ادا کر دیتے ہیں۔ شمبھو ان میں سے ایک ہے۔ پھر بھاگوت راؤ تو لاکھوں میں ایک انسان ہیں۔ باقی لوگ منہ زور ہیں اور اپنا اُلو سیدھا کرنا جانتے ہیں''۔ انسپکٹر نے بتایا۔
''آپ چیئرمین یا سرپنچ نہیں ہیں کہ ان کی وکالت کریں''۔
''جناب، چیئرمین یا سرپنچ کیا، ان کے یہاں تو بڑے بڑے نامی گرامی لوگ آتے رہتے ہیں۔ تین سال پہلے یہاں سرکاری اناج کی دوکان کا کیش کریڈٹ نہیں تھا تب نقصان اٹھا کر بھاگوت نے اپنے پیسوں سے دوکان چلائی۔ ہم لوگوں کی سب سے زیادہ وصولی اسی سال ہوئی تھی۔ گاؤں والے بھاگوت سے فائدہ اٹھانا تو درکنار، الٹے اسے ہی تنگ کرنے لگے۔ وہ بڑا آدمی ہے اس لیے اسے بُرا لگا اور اس نے دلچسپی لینی چھوڑ دی ورنہ گاؤں کی ترقی اور لوگوں کی خوشحالی کے لیے اس نے کیا کچھ نہیں کیا......''۔
''ارے، ایسی بات تھی تو پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں تو گاندھاری کے دوسرے لوگوں کی طرح سمجھ رہا تھا''۔ افسر نرم پڑ گیا۔
''آپ نے سنا ہی کب جناب، اپنے چیئرمین صاحب کے یہاں بھی ان کی بہت عزت ہے ــــ ابھی جو کچھ بھی ہوا بلاوجہ ہی ہو گیا''۔
''یہ سکریٹری ایک نمبر کا اُلو ہے۔ اس نے جب فہرست نکالی تھی تبھی بتانا تھا۔ عقل تو اسے چھو بھی نہیں گئی ہے''۔
''صاحب........''۔ سکریٹری منمنایا۔
''بکواس بند کرو''۔ افسر نے سختی سے کہا۔
''صاحب'' ان سے مل لیجیے۔ یہ رام راؤ پاٹل ہیں۔ دیر سے آئے ہوئے ہیں۔ آپ کو کھانے کی دعوت دینے آئے ہیں''۔ سکریٹری پھر منمنایا۔

''کھانا تیار ہے صاحب۔ چلیئے''۔ پاٹل نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔
''لیکن کھانے کا انتظام تو میں نے سکریٹری کو اپنے گھر پر کرنے کے لیے کہا تھا۔ کیوں؟''۔ انسپکٹر نے سکریٹری سے پوچھا۔
''صاحب۔ پاٹل بضد ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا' اپنے صاحب ان کے نزدیکی رشتہ دار ہیں۔ پھوپھیرے بھائی کے ساڑھو کے چچیرے بھائی یا ایسی ہی رشتہ داری بتا رہے تھے۔ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ صاحب کو دوسرے کے یہاں کھانے نہیں دیں گے''۔
''لیکن میں پاٹل کو نہیں جانتا۔ کبھی کی جان پہچان نہیں ہے''۔ شندے صاحب بولے۔
''مگر میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں صاحب۔ میں آپ کی طرف کا ہی ہوں۔ چار پانچ سال قبل یہاں آبسا تھا''۔ پاٹل نے بتایا۔
''اِدھر کیوں آگئے؟''۔ شندے صاحب نے پوچھا۔
''صاحب اِدھر زمین خرید لی ہے انہوں نے''۔ سکریٹری نے بتایا۔
''اچھا، اچھا۔ ان کے یہاں کچھ باقی تو نہیں ہے؟''۔
''ہاں صاحب۔ پانچ ہزار روپے باقی ہیں۔ تین سال سے بقایہ چلا آرہا ہے''۔
''تبھی میں سوچ رہا تھا کہ یہ کھانے کی پیش کش کیوں ہے؟''۔
''ایسی بات نہیں ہے صاحب۔ آپ ہمارے پھوپھیرے بھائی کے ساڑھو کے ......''۔
''بس بس رشتہ داری بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ کے یہاں کھانا کھانے نہیں جاسکتے''۔
''ایسا مت کیجئے صاحب۔ گاؤں میں نہیں ملا تو فردا پور سے مرغ منگوایا ہے۔ سارا انتظام ہو گیا ہے۔ برباد ہو جائے گا'' پاٹل نے اصرار کیا۔
''اب انہوں نے انتظام کر ہی لیا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے''۔ انسپکٹر نے بات رکھ لی۔
''مرغ کو پنکھ لگنے پر وصولی نہیں ہو سکے گی۔ آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ چلو بھائی، ہم آرہے ہیں''۔ شندے صاحب بھی رضا مند ہو گئے۔
گاؤں میں بھجن کیرتن والے بھگتوں کا ایک اڈہ ہے۔ روحانیت بگھارنے والے وِیڈیا کا کا کا بھی ایک اڈہ ہے سرپنچ کے یہاں گاؤں کی ترقی کی باتیں بتانے والوں کا بھی اڈہ

ہے۔ گاؤں میں ایسے کچھ خاص اڈے کئی جگہوں پر ہیں۔ ادھر کئی برسوں سے ہری با کولی کا اڈہ کافی مشہور ہو گیا ہے۔ ہری با کولی کی عمر چالیس سال کے آس پاس ہے۔ لیکن بے حد جوان نظر آتا ہے۔ پیدائشی نامرد ہے۔ تن بدن رنگ روپ سے بجیلا ہے۔ گاؤں کے بڑے بڑے لوگوں کے گھروں میں کام کرتا ہے۔ برتن مانجھنا، پانی بھرنا، کبھی کبھی کوئی خاص چیز پکا دینا۔ بچوں کو سنبھالنا جیسے کام ہری با کرتا ہے۔ ان دنوں وہ لال جی کے یہاں کام کر رہا ہے۔ اس کا رہن سہن عورتوں جیسا ہے۔ ہری بانے عورتوں جیسے بال بڑھا لیے ہیں۔ وہ عورتوں کے درمیان بیٹھنا پسند کرتا ہے۔ عورتیں اس سے جھجک محسوس نہیں کرتیں — لیکن اس کی کٹیا میں وٹھوبا گاوڑے، بھیما کولی، جانکی رام جیسے گانجا پینے والے آتے رہتے ہیں۔ ہری بانے اپنی کٹیا کا نام "جے بھولے کلب" رکھا ہے جہاں ممبروں کو گانجا آسانی سے مہیا کرایا جاتا ہے۔ ممبروں کے لیے ہری با کبھی کبھی مرغ مٹن پکاتا ہے۔ خاص مہوا کی شراب دستیاب کراتا ہے اور رات گئے تک ان سے گپ شپ کرتا رہتا ہے۔ جانکی رام اور وٹھوبا گاوڑے شاستروں، پرانوں کی کتھائیں اور طلسی کہانیاں سنایا کرتے ہیں۔ بہت سی باتیں من گڑھت ہوتی ہیں۔ ہری گاؤں کے بڑے گھروں میں خود بھی قصے کہانیاں سناتا ہے اور لوگوں کو تفریح مہیا کرتا ہے۔ کبھی کبھی گاؤں کے نکمے اور آوارہ لڑکے بھی اس کے پاس آیا کرتے ہیں اور ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں۔ کوئی اسے اپنی بانہوں میں بھر لیتا ہے۔ ہری با ان سب کو بھی خوش رکھتا ہے۔ چائے پلاتا ہے، پان کھلاتا ہے — ایک بار ہری بانے ان لڑکوں کو بتایا — "لال جی کی انگلیوں پر ساوتری کی جان نچھاور ہے۔ ایک دفعہ ساوتری نے لال جی کی انگلیوں میں مہندی لگا دی۔ گیلی — ٹھنڈی — میں نے ہی مہندی پیسی تھی۔ ساوتری اپنے گورے گورے ہاتھوں سے لال جی کی انگلیوں میں مہندی لگا رہی تھی کہ اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ لال جی نے دیکھا تو مہندی لگی ہتھیلیوں سے اس کے چہرے کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر وہ بھی رونے لگا۔ ساوتری اس سے لپٹ گئی۔ دونوں رو رہے تھے۔ مگر کوئی کچھ بول نہیں رہا تھا۔ میں برتن مانجھ رہا تھا۔ کام چھوڑ کر دونوں کو دیکھنے لگا — اگلے دن ساوتری کے گالوں پر مہندی کی لال چھاپ دیکھ کر میں نے پوچھا تو کہنے لگی: "لال جی نے رات میں بہت......"۔

ان لڑکوں کو ایسی ہی باتوں میں مزہ ملتا تھا۔

ہری با کے پاس جب کوئی نہیں ہوتا تو پڑوس کی دوارکی کوسار جابائی، شیونتی، اور دوسری عورتیں گپ شپ کے لیے آیا کرتیں۔ دل کھول کر لمبے چوڑے گپیں ہوتیں۔ گاؤں بھر

کی خبریں ایک دوسرے کو سناتیں — کسی خاص بات کی جانکاری کے لیے سارجا بائی رات بے رات بھی ہری با کے پاس آیا کرتی۔

آج شام بھی یہ عورتیں اپنا کام سمیٹ کر ہری با کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ پان چباتے ہوئے سارجا نے پوچھا: ''ہری با۔ سنا ہے، دوپہر کے وقت گاؤں میں بہت پولیس آئی تھی۔ کیا جھمیلا ہو گیا؟''۔

''پہلے میں بھی سمجھا کہ پولیس ہے۔ مگر وہ اجنتا کی پہاڑی جنگل کے لوگ تھے۔ خاکی وردی پہنے ہوئے۔ اپنے گاؤں کے لوگ ایک نمبر کے دوغلے ہیں''۔

''کیوں؟ کیا ہو گیا؟''۔

''یاد ہو گا گذشتہ سال کسی نے گمنام خط بھیجا تھا کہ بھاگوت کے مکان میں بہت جوار رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح اس بار بھی کسی نے لکھ بھیجا تھا کہ اس کے مکان میں ساگوان کی دوسو بلّیاں چھپا کر رکھی گئی ہیں''۔

''ایسا؟ پھر؟''۔

''بھاگوت نیک انسان ہے۔ اس نے اپنا مکان دکھا دیا۔ دس پانچ بلّے تھے وہ بھی دکھا دیے۔ پہاڑ کے بنجارے بوائی کے وقت بھوکے آئے تھے۔ انہوں نے زبردستی یہ بلّے دے دئے تھے۔ بدلے میں بھاگوت نے ان کی جھولی میں جوار ڈال دی تھی۔ جنگل والوں سے بھاگوت نے کہا کہ اسے یہ بھی نہیں لینا چاہیے تھا۔ اگر یہ جرم ہے تو جرمانہ دینے کے لیے تیار ہے — وہ لوگ خالی ہاتھ چلے گئے۔ عرضی دینے والوں کو سخت مایوسی ہوئی ہوگی''۔

''کسی ہیجڑے کی اولاد ہوگا۔ اس کا باپ ہی نہیں ہوگا تو اپنا نام کیا لکھے گا۔ ڈونگر گھاٹی کے برہم راکشس کا جایا ہوگا۔ اسی لیے بغیر نام کے لکھتا ہے۔ کسی بھلے آدمی کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا''۔

''یہاں کے لوگ ہی ایسے ہیں۔ شیونتا تو ہی بتا رہی تھی نا کہ ایک بار بھاگوت اور جے ونتا کے نام بھی کسی نے اچھال دیئے تھے۔ اور جے ونتا دیوی کے مندر کے چاروں طرف کچھ دن پاگل طرح گھومتی رہی تھی۔ سنا ہے اس مندر کے مہاراج کے چلے جانے پر کوئی سادھو آیا تھا۔ کچھ جان نہیں پائی ......''۔

''اجی اسے جانے دو۔ پچھلی بار قرض وصولنے والوں نے شمبھو مالی کے گھر دھاوا بولا تھا۔ پیسے کی تنگی سے وہ پہلے ہی پریشان تھا۔ اس سال اور بلا آ گئی۔ اس کے داماد نے سنتے ہیں

کہ، شمبھو کی بٹیا کو مار مار کر ختم کر ڈالا۔ اس لڑکی کا بھی شاید کچھ ایسا ویسا چکر ہو گیا تھا۔ رو رو کر شمبھو کی بیوی پاگل ہو گئی ہے.....''۔

''ہاں۔ بہت برا ہو رہا ہے۔ دنیا میں کیسے کیسے لوگ رہتے ہیں۔ اپنا گاؤں بھی کتنا خراب ہو گیا ہے۔ لے شیونسا تمبا کو''۔

''ہری با۔ جو اصل بات پوچھنے کی تھی وہ تو رہ ہی گئی''۔

''کس بارے میں؟''۔

''سرپنچ کی کوٹھی میں تو ہی برتن مانجھتا ہے نا؟''۔

''ہاں۔ کیوں؟''۔

''کوٹھی میں جو سرکاری عورت رہتی تھی۔ اسے دیکھا......؟''۔

''لال تکون والی؟ پورے گاؤں نے دیکھا ہے''۔

''یہ بات نہیں۔ وہ عورت آج کل نظر نہیں آ رہی ہے''۔

''ہاں سارجا۔ سچ مچ پندرہ بیس دنوں سے نظر نہیں آ رہی ہے''۔

''کچھ سنا ہوگا اس کے بارے میں؟''۔

''کیا؟''۔

''مجھے معلوم ہوا ہے، اس کے پاؤں بھاری ہو گئے ہیں''۔

''اچھا! کسی نے زبردستی کیا یا اپنی خوشی سے......''۔

''چنڈال چوکڑی بہت دنوں سے اس کے پیچھے پڑی تھی۔ رات میں بھی اس کے پاس جا کر دوا مانگتے کہ بیوی کو ضرورت ہے۔ اس نے اگر کہہ دیا کہ صبح لے جانا تو ڈانٹ سناتے کہ تمہارا کام یہی ہے۔ سرکار سے تنخواہ لیتی ہو۔ مفت میں کام نہیں کر رہی ہو۔ سرکار فیملی پلاننگ کے لیے چیخ رہی ہے اور ادھر تم ہو کہ دوا نہیں دے رہی ہو۔ آخر کیا بات ہے؟— وہ کسی کام سے تحصیل جانے لگتی تو یہ سب نکل پڑتے— وہ دفتر کسی کام سے آتی تو سب وہاں آ کر بھیڑ لگا دیتے''۔

''میں نے سنا ہے، اس کا کسی کے ساتھ لاگ تھا......''

''نہیں۔ وہ ویسی نہیں تھی۔ بڑی بھلی عورت تھی''۔

''مرد کی نس بندی— عورتوں کی نس بندی۔ اٹھتے بیٹھتے اس کا یہی کام تھا۔ ایسی باتیں دیکھ کر اس کا من کیا نہیں ہوتا ہوگا۔ جیتا جاگتا دل اس کے پاس بھی ہے۔ انسان کا دل قابو سے باہر ہو جائے تو بارہ گاؤں اجڑیں''۔

''کیسی عجیب بات ہے۔ بچہ پیدا مت کرو، کہنے والی کو اسی گاؤں میں حمل رہ گیا.....''۔

''مگر سارجا۔ وہ عورت بدچلن نہیں تھی۔ انسان کی فطرت کا پتہ چل جاتا ہے۔ اپنا گاؤں ہی خراب ہے۔ بلا وجہ اس کے نام پر افواہ پھیلائی جارہی ہے''۔

''لیکن یہ نوکری ہے خراب.......''۔

''ہاں' اٹھتے بیٹھتے کوئی بھی آجاتا ہے اور ان ہی باتوں کو پوچھتا ہے۔ دن بہ دن بیہودہ باتیں سامنے آرہی ہیں۔ سرکار کو بھی کوئی اور کام نہیں رہ گیا ہے شاید''۔

''گرہستی کی بیل کو منڈوے پر چڑھانا ٹھیک ہے کہ اس پر کلہاڑی چلانا؟ کیسا عجیب شاستر ڈھونڈ لیا ہے سرکار نے''۔

''کہتے ہیں دنیا بڑھ گئی ہے۔ کھانے کو نہیں ملے گا۔ رہنے کو جگہہ نہیں ملے گی''۔

''سرکار تو کچھ بھی کہے گی جبکہ ہر کوئی اپنی قسمت سے کھاتا پیتا ہے۔ ہاتھ پیر ہوں گے تو ہر کوئی کمائے گا۔ چڑیا یا پرندوں کا گھر بار نہیں ہوتا، گرہستی نہیں ہوتی، کوئی آسرا نہیں ہوتا، تب بھی ان کو دانہ پانی مل جاتا ہے۔ پھر ہم تو اشرف المخلوقات ہیں۔ بھگوان کو سب کی فکر رہتی ہے۔ اس کی آنکھیں آسمان جتنی بڑی ہوتی ہیں۔ میں نے سنا ہے مسلمان لوگ ایسا گندہ کام نہیں کرتے۔ عورت ذات ایسا کام کرے۔ کتنا برا لگتا ہے۔ کوئی مرد دور فاصلے پر بھی نظر آئے تو ہم پیشاب کرنے سے جھجکتے ہیں۔ اور اس جگہہ ....''۔

''وہ لوگ کہتے ہیں کہ عورت تیار نہ ہو تو مرد کو آپریشن کرالینا چاہیے''۔

''وہ موئے کیا کہیں گے۔ تو رمضان بھیل کو جانتی ہے نا؟''۔

''ہاں''۔

''اس نے گذشتہ سال اپنا آپریشن کرالیا۔ عورت پر دباؤ نہیں ڈالا۔ خود تیار ہو گیا۔ موٹر میں گیا تھا۔ ایک ہی سال کے اندر اس کی عورت کے پاؤں بھاری ہو گئے۔ اس نے عورت کو جانور کی طرح پیٹا۔ ختم کر دینے کی دھمکی دی۔ کیسے رکھ لیا پیٹ؟ آٹھ بچے ہو گئے تب بھی ہوس پوری نہیں ہوئی۔ غنیمت ہے کہ اس نے عورت کو جان سے نہیں مارا۔ اچھا خاصہ تماشا ہو گیا تھا۔ نرس، گرام سیوک اور بی ڈی او صاحب آئے تھے۔ اسے موٹر میں بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ جانچ کے بعد پتہ چلا کہ آپریشن غلط ہو گیا تھا۔ اس لیے عورت کو حمل ٹھہر گیا۔ اپنے گاؤں کے چار پانچ لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ شرم سے لوگ کچھ نہیں بولتے۔ البتہ رمضان نے خوب گالی دی تھی''۔

''ڈاکٹر ہیں کہ حجام؟ کرنے نہیں آتا تو کیوں اس پیشے میں ہیں؟ بلاوجہ عورت مرد میں بکھیڑے پیدا کرتے ہیں۔ ضرور یہ لوگ سفارش سے ڈاکٹر بنے ہیں''۔

''راما تیلی کو آپریشن کرائے چار سال ہو گئے تب سے اسے بچہ وچہ نہیں ہوا۔ شادی کے بعد تو ایک کے پیچھے ایک — تین سالوں میں تین بچے ہوئے اور عورت مرتے بچی۔ آپریشن نہیں کرایا ہوتا تو ابھی تک آٹھ بچے ہو چکے ہوتے''۔

''پہلے وہ عورت بچتی نظر نہیں آئی تھی اب دیکھو اس کی صحت کتنی اچھی ہے اور گرہستی بھی مزے میں چل رہی ہے۔ شروع میں حالت کتنی خستہ تھی''۔

''وہ تو کہتی ہے کہ آپریشن کے بعد ہی گرہستی کا بھلا ہو گیا۔ سار جابائی، سچ کہوں۔ تو کچھ بھی سوچ میرے سات بچے ہیں۔ اب پانی سر سے اوپر ہو گیا ہے دونوں کی کمائی سے نمک مرچ اور جوار پورا نہیں کر پاتی بچوں کو ننگ دھڑنگ اور بھوکا دیکھ کر کلیجہ مچل جاتا ہے۔ پرسوں گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ دارو پی کر گھر آئے تو میں نے غصہ میں بچوں کی مرمت کر ڈالی۔ اور پھر پچھتاتی ہوئی ہائے ہائے کرتی رہی۔ تب لگا کہ سرکار جو کہتی ہے وہ ٹھیک ہے۔ اپنی ہی عقل ناقص ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ڈاکٹر اچھا ہو تو ان کا بھی آپریشن کرا دیں۔ اب سب کچھ برداشت سے باہر ہو گیا ہے۔ وہ بوڑھے ہو گئے ہیں پھر بھی ان پر ہوس چھائی ہوئی ہے پورا بدن کھوکھلا ہو گیا ہے۔ مگر ایسے سوتے ہیں جیسے بارہ ہاتھیوں کی طاقت آئی ہو۔ یہ سب کہنے کی باتیں نہیں ہیں لیکن بات نکلی ہے تو کہہ رہی ہوں۔ سنا ہے آپریشن کرانے سے سرکار روپے دیتی ہے۔ سال بھر ہو گئے کسی تیوہار پر بھی بچوں کے لیے کپڑے نہیں بنوایا۔ کچھ روپے آجائیں تو سب کا کپڑا بن جائے گا۔

''ہاں شیونتا۔ تو جو کچھ کہہ رہی ہے ایکدم صحیح ہے''۔

''جے بھولے۔ ہری باکولی کے پاؤں بھاری ہوں — اس کا لڑکا سرپنچ بن جائے بھولے بابا کی نظر کرم سے'' وٹھوبا گاوڈے، جانکی رام، وبھا کولی اصلی مہوے کی چڑھا کر نشے میں بڑبڑاتے ہوئے آپہنچے۔

''آگئے دارو پی کر۔ اس کے علاوہ انہیں دوسرا کام نہیں'' شیونتا بولی۔

''دارو کہو یا کچھ بھی کہو۔ ہمارے واسطے تو امرت ہے شیونتا بائی۔ اوپر سرگم میں دیوی دیوتاؤں کو بھی دارو اور گانجا کے بغیر چین نہیں آتا''۔

''کیسی گندی بو آرہی ہے ان کے منہ سے چلو سار جا۔ ان سے کیوں الجھتی ہو''۔

''جاؤ۔ ماں گنگا جاؤ۔۔۔ ہم سے الجھ کر کیا ہونے والا ہے۔ جے بھولے جے بجرنگ بلی۔ پھوڑو دشمن کی نلی۔ آج تو خاص گپ شپ کریں گے''۔ عورتوں کے جانے کے بعد ہری باکمبل بچھاتا ہے۔ تینوں اس پر ڈھہہ جاتے ہیں۔ ہری با چکنی کالی چلم نکالتا ہے۔ کپڑہ اور پانی لاکر رکھتا ہے۔ پھر اندر سے مال لاکر ہمیشہ کی طرح انگوٹھے سے ہتھیلی پر مسلنے لگتا ہے۔

''لال جی دروازہ کھولو''۔

''کون ہے؟''۔

''بھاگوت۔''

''دروازہ کھلا ہے۔تم اندر آجاؤ''۔

بھاگوت نے کواڑ کھولا اور وہیں پر کھڑا رہ گیا۔ ساوتری اور لال جی پلنگ پر ایک دوسرے سے سٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ لال جی کے تلوں پر مہندی کے چھاپ لگا کر ساوتری بیل بوٹے بنا رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہے ہو۔ اندر آجاؤ۔ میں تیار نہیں تھا لیکن اس کی ضد کے سامنے ......''۔ ساوتری لال جی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنس پڑی۔

''بھابھی آپ دونوں قسمت والے ہیں۔ اتنی آگ کو سہہ کر اس طرح کھول کر جی لینا ہمارے بس کی بات نہیں ہے''۔

''ارے، دل کھول کر کہاں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کی آنکھوں میں پانی آگیا تھا۔ اس کے دماغ میں کب کون سی بات آئے گی، نہیں کہہ سکتے''۔

لال جی، تو تو بس پگلا ہے تو نے کبھی کسی بات کی فکر کی ہے؟ بھابھی کو سمجھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کرتا۔ ان کے من کی بے چینی کے بارے میں کبھی سوچا بھی ہے؟ میرا ہی بے حس لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ تو جانتا ہے میں ہوں کہ کسی کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

''تم پاگل جیسی باتیں کیوں کرنے لگتے ہو؟''۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ تم سمجھ نہیں پاؤ گے''۔

''ان دنوں تم صاف صاف کچھ بھی نہیں کہہ رہے ہو۔ صرف سوال رکھ دیتے ہو میرے سامنے۔ مجھے خواہ مخواہ پس و پیش میں ڈال دیتے ہو— ساوتری کھانے کے لیے کچھ بناؤ''۔

''نہیں ابھی کھانے کے لیے نہیں چاہیے۔ صرف چائے لوں گا''۔

''آپ نے اپنائیت کم کردی ہے۔اب ہمارے یہاں کم آتے ہیں۔اور آتے ہیں تو ایسا تکلف''۔

''اچھا بھابھی۔ ناراض نہ ہوں۔کھلایئے۔کیا کھلاتی ہیں''۔

''لال جی۔ان دنوں میں الجھن میں ہوں''۔

''کیوں۔کوئی خاص وجہ؟''۔

''نہیں۔بس کبھی کبھی اداسی طاری ہوجاتی ہے۔گھر، گاؤں اور کھیتی باڑی کے بارے میں سوچ سوچ کر ایسا ہوتا ہے''۔

''میں نے کتنی بار کہا ہے کہ مہاراج کا پتہ لگا کر انہیں لے آؤں۔مہاراج تھے تب ان کی باتیں سن کر ہی تمہاری الجھن دور ہو جاتی تھی۔کہو تو تلاش میں نکل جاؤں''۔

''نہیں لال جی۔مہاراج اب نہیں ملیں گے۔وہ ہمالیہ کے پار دوسری طرف نکل گئے ہوں گے''۔

''میرے خیال میں مہاراج آلندن یا پنڈر پور میں ہوں گے۔''

''جہاں بھی ہوں۔تم کہیں نہیں جاؤ گے''۔

''دیوی کے گہنے چرانے کا الزام گاؤں والوں نے مہاراج پر لگا دیا تھا اسی لیے کہہ رہے ہو۔مگر جب تینوں چور گہنے کے ساتھ پکڑے جاچکے تو گاؤں والوں کا ذہن صاف ہو چکا ہے۔کچھ لوگ جان بوجھ کر مہاراج کو بدنام کرنا چاہتے تھے''۔

''ہمیں چاہئے کہ مہاراج کو بھول جائیں''۔

''تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو بھاگوت؟''

''پھر کبھی بتاؤں گا۔پہلے پانی پلاؤ گلا سوکھ رہا ہے''۔

بھاگوت پانی پی کر لیٹ گیا۔اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

''تمہیں ضرور کچھ ہوا ہے'' لال جی نے بے چینی ظاہر کی۔

''کچھ بھی تو نہیں''۔

''میری قسم، سچ بتاؤ کسی نے کچھ کہا تو نہیں؟ تم مجھے صرف نام بتادو۔میں دیکھ لوں گا۔یہاں کے ننگے لوگوں کے ساتھ ننگا ہونے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے''۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے لال جی''۔

''مجھ سے چھپانے سے کیا فائدہ؟ اپنی پریشانی مت بڑھاؤ''۔

''سن کر تم برداشت نہیں کر پاؤ گے۔''

''اب کہہ بھی ڈالو۔''

''مہاراج پر تمہاری کتنی شردھا ہے؟''۔

''ہاں۔ مہاراج سے بڑھ کر گیانی آدمی میں نے نہیں دیکھا ہے۔ میرے دماغ کی بعض الجھنیں ان ہی کی وجہ سے دور ہوئی ہیں''۔

''ان کے بارے میں کچھ غلط سنا تو؟''

''کہنے والے کا گلا دبا دوں گا''۔

''تو تم میرا گلا دبا دو''۔

''کیوں؟ کچھ کہو بھی۔ مہاراج کہاں ہیں؟''

''ہوسا کو جانتے ہو''۔

''کون ہوسا؟''

''وہی کھیت والی۔ کڑوبا کی موت والی''۔

''اسے کیوں نہیں جانوں گا۔ اس کا پھندہ میرے ہی گلے میں تو پڑنے والا تھا۔ ایک نمبر کی بدمعاش عورت ہے۔ کیا ہو گیا اسے؟ گاؤں کی طرف اب کم آتی ہے''۔

''کل شام اندھیرا چھا جانے پر وہ اُدھر بڑے کھیت میں مجھ سے ملی''۔

''اس کے پاؤں پھر بھاری ہو گئے ہیں''۔

''کیا؟ مگر یہ کس کی حرکت ہے؟''

''مہاراج کی''۔

کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں نے پہلے ہی پوچھا تھا کہ تیری شردھا اب بھی باقی ہے''۔

''وہ چھنال ہے۔ کچھ بھی کہے گی''۔

''ایسا نہیں ہے لال جی۔ بات بالکل سچ ہے''۔

''نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ مہاراج کو گئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا اور اسے حمل کا پتہ اب چلا ہے''۔

''مہاراج اس کے کھیت پر ان چھ مہینوں میں کئی راتیں گذار چکے ہیں''۔

''بھاگوت تم اس کی بات پر یقین کر رہے ہو؟ پولیس والوں کو اس کا پھندہ ڈھیلا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اسے جیل میں سڑا دینا چاہیے تھا''۔

''لال جی، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے دھیان سے سنو۔ میرا دماغ بے حد گرم ہو گیا ہے۔ مہاراج اب پہلے جیسے نہیں رہ گئے ہیں۔ کوئی بھی آدمی اتنا نہیں بدل سکتا۔ کل تک میں جو کچھ سوچ رہا تھا سب فریب ثابت ہوا۔ کل ہوسا سے ملنے کے بعد سب بھرم ختم ہو گیا۔ میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں۔ پہلی بار ہوسا نے حمل گرایا تب گاؤں میں شور مچ گیا تھا۔ وہ حمل بھی مہاراج کا ہی تھا۔ دیوی ماں گواہ ہے۔ پھر مہاراج کے لیے ہی کڑوبا کی جان لی گئی۔ اس میں تمہاری اور میری عزت کا سوال تھا۔ وہ پاپ کسی طرح ختم ہو گیا۔ اب ہوسا جو کچھ کہہ رہی ہے یہ بھی صحیح ہے۔ مہاراج کے پاس صرف ہوس سے بھرا جسم رہ گیا ہے۔ وہ اکثر اس کی کٹیا میں آجاتے ہیں وحشی بن جاتے ہیں۔ ہوسا چاہتے ہوئے بھی انہیں منع نہیں کر سکتی۔ اپنی اس کمزوری کو وہ قبول کرتی ہے۔ پرسوں رات مہاراج اس کے یہاں آئے تو اس نے حمل کی بات بتادی۔ مہاراج پھر اس کا پیر پکڑنے لگے، گڑگڑانے لگے اور یہ تجویز رکھی کہ وہ ان کے ساتھ کاشی چلے۔ جہاں اسقاط کروادیں گے اور دونوں وہیں رہیں گے۔ ہوسا نے ان کی بات مان لی۔ وہ کل رات ہی مہاراج کے ساتھ یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی گئی۔ مجھ سے کہہ گئی کہ اسقاط نہیں کرائے گی اور اب لوٹ کر یہاں نہیں آئے گی — میرے سامنے بہت روئی۔ نہ جانے کیوں میں اس سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکا۔ اپنا کھیت اس نے مندر کے نام کر دیا ہے۔ اس کی آمدنی دیوی ماں کے لیے ہوگی۔ اس کاغذ پر لکھ کر دیا ہے۔ یہ دیکھو۔ نیچے اس کے انگوٹھے کا نشان ہے۔ تحریر کس کی ہے اچھی طرح سے دیکھ لو''۔

''مہاراج کی ہے۔ میں پہچانتا ہوں''۔

''مگر اسے ہم گاؤں والوں کو کس طرح دکھلائیں گے''۔

''تم نے لیا ہی کیوں؟ یقیناً بتنگڑ بن جائے گا اور ہمارے خلاف نئی افواہیں پھیلائی جائیں گی''۔

''اس نے دیوی ماں کی قسم دی تھی۔ مجبور ہو کر میں نے یہ کاغذ لے لیا تھا۔ اسے میرے علاوہ کسی دوسرے پر بھروسہ نہیں تھا۔ بعد میں بتاؤں گا''۔

''کیسی بھیانک باتیں ہو گئیں۔ اور تم مجھ سے چھپا رہے تھے۔ کیوں؟''۔

''اچھا جانے دو، گاؤں کے دوسرے جھمیلے اس سے بڑھ کر ہیں جنہیں میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ گاؤں والوں کے لیے ہم نے کیا کچھ نہیں کیا لیکن بدنامی ہمارے حصہ میں بھی آئی ہے اور ہم خاموش رہنے پر مجبور ہیں۔ جو آدمی دن دہاڑے اتنے لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے اور بغیر کسی رشتے ناطے کے پورے گاؤں کو لوٹ رہا ہے اسے ٹھکانے لگانا کون سا مشکل

کام ہے۔ مگر یہاں پیدا ہو کر بھی اپنے گاؤں کے لوگوں کو پہچان نہیں سکا۔ اسی لیے اب صرف کھیتی باڑی پر دھیان دینا چاہتا ہوں اور گاؤں والوں سے الگ تھلگ رہنا چاہتا ہوں۔ بہت ہوگئی خدمت، غبار کو گلال کہنا ہم سے کبھی نہیں ہو سکے گا۔ اپنے تئیں ہم بہت کچھ اچھا کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر بے عزتی کے سوا کیا ملا؟ لوگوں کو اور ننگا ہونے دو۔ تمہیں میں نے جان بوجھ کر نہیں بتایا تھا کہ جب گاؤں میں جوار اور دیگر غلہ نہیں مل رہا تھا تب اپنا نقصان اٹھا کر میں نے دوکان چلائی۔ بات پرانی ہوگئی ہے لیکن ایک دو جگہ جعلی دستخط کا جھنجھٹ کھڑا کیا گیا ہے کس کے کون سے دستخط ہیں مجھے پتہ نہیں ہے مگر ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میرے خلاف جو درخواست دی گئی ہے اس میں آدھے گاؤں کے لوگوں کے دستخط ہیں۔ اس سے نمٹنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ مہاراج کا یہ نیا معاملہ سامنے آگیا ہے''۔

''لیجئے کھائیے — ارے۔ آپ دونوں کس فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں''۔ ساوتری کچن سے باہر آتی ہوئی بولی۔

''کاہے کی فکر؟ کام کی باتیں ہو رہی ہیں۔ بوائی کے دن آرہے ہیں نا' فکر کرنا ضروری ہے''۔

''آپ دونوں کے لیے پرارتھنا کرنے ہم دونوں گھر والیاں سوموار کو شیو.جی کے مندر جا رہی ہیں۔ دن بھر وہیں رہیں گی''۔

''صرف ہم دونوں کے لیے۔ پورے گاؤں کے لیے کیوں نہیں؟''

ایسا ہے تو چاروں چلیں۔ آپ دونوں گاؤں کے لیے پرارتھنا کریں اور ہم دونوں آپ کے لیے''۔

''کیوں لال جی منظور ہے؟''

''ایک دم منظور ہے''۔

''بھابھی جی۔ پھر بات پکی رہی''۔

''تو آپ کیا مذاق سمجھ رہے ہیں''۔

''ٹھیک ہے''۔

کچھ دیر بعد بھاگوت اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ دونوں اس کو جاتے دور تک دیکھتے کھڑے رہے۔

7

''سنو سنو بھئی۔ ضروری اعلان سنو — صبح کسی کو کھیت پر نہیں جانا ہے۔ سرپنچ صاحب میٹنگ کریں گے''۔

''سنو سنو بھئی۔ کل ساون کا منگل ہے۔ سبھی لوگ مَری مائے کو بھوگ چڑھائیں—''۔

رات کے وقت توتیا مانگ زور زور سے ڈف بجا کر چلا رہا تھا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ سرپنچ صاحب کس بات کے لیے میٹنگ کریں گے— ممبر ہونے کے باوجود توتیا بیڑی اور سبزی روٹی مانگتے ہوئے بتاتا جاتا ہے کہ باہر سے کوئی افسر یا نیتا آنے والے ہیں۔

گاؤں کے لوگوں کی یہ ذہنیت ہوگئی تھی کہ قرض کے بٹوارے کی بابت یا رعایت کے بارے میں جانکاری ملنے پر ہی میٹنگ میں آتے تھے۔ قرض کی وصولی، لگان یا چندہ کی خبر توتیا سے ملتے ہی لوگ صبح سویرے کھیت کی طرف یا دوسرے گاؤں چلے جاتے ہیں۔ کسی پروگرام کے لئے، کسی پاٹھ شالا کے افتتاح کے لیے یا الیکشن میں جیتنے والے لیڈروں کے استقبالیہ کے لیے چندہ دیتے دیتے لوگ عاجز آچکے تھے۔ گاؤں میں کچھ ہو تو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دینا ہی پڑتا ہے۔ مگر حالات بگڑ جانے کی وجہ سے اور طرح طرح کے چندے سے لوگ بھاگنے لگے تھے۔ لیکن جگد یو کسی نہ کسی بہانے سے وصول لیتا تھا۔ اسے جلسہ جلوس کرنے کا بہت شوق ہے۔ چندہ کے پیسوں کو اپنا سمجھ کر خرچ کرنے کا گُر جانتا ہے— گاؤں میں جن پانچ دس لوگوں کی مالی حالت اچھی ہے ان ہی پر زیادہ زور ڈال کر روپے جمع کرتا، لوگ دان سمجھ کر دیتے اور اس سے چھٹکارا پاتے۔ ان پیسوں سے وہ بڑے افسر اور لیڈروں کی آؤ بھگت کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرتا۔ یہ الگ بات ہے کہ افسر اور لیڈر اس کی چالبازی کو سمجھتے تھے۔ اسی لیے کھاپی کر بھی وصولی کے نوٹس سختی سے جاری کر دیتے۔ اسے کہیں سے الیکشن لڑنے کے لیے ٹکٹ نہیں لینے دیتے۔ کہا کرتے کہ جان بوجھ کر مصیبت کون مول لے؟ پچھلی بار جگد یو آزاد امیدوار کی حیثیت سے لڑا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ بری طرح ناکام رہا تھا۔ تب اس نے بناوٹی بیراگ اختیار کر لیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ سیاست اور الیکشن بازی چھوڑ دے گا اور

کھیتی باڑی پر توجہ دے گا۔ وہ کبھی لیڈروں کو برا بھلا کہتا لیکن لوگ اس کی جھوٹی تعریف کرتے اور دو چار کام کر کے اسے بہلائے رکھتے۔

اگلی صبح نو بجے گرام پنچایت کے چوپال پر صرف پانچ دس لوگ جمع ہوئے۔ چپراسی انہیں بڑی کوششوں کے بعد لایا تھا۔ ایسے ہی لوگ حاضر تھے جن کے کچھ کام رُکے ہوئے تھے۔ پٹواری، گرام سیوک، سوسائٹی کا سکریٹری، ایگریکلچر کا اسسٹنٹ، دو تین ماسٹر، دو ایک پنچ، پٹیل، کوتوال حسب معمول آگئے تھے۔ سبھی سرپنچ کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اور کھیتی باڑی کی اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں رنگ بھر رہے تھے:۔

''آپ کچھ بھی کہیئے پرانہ زمانہ گذر گیا۔ تب ایک کماتا تھا اور گھر کے سارے لوگ بیٹھ کر کھاتے تھے۔ اب سب کے سب کماتے ہیں؟ پھر بھی تنگی رہتی ہے۔ ہمارا گاؤں دس گاؤں کو اناج دیتا تھا اور اب.........''۔

''گاؤں وہی ہے زمین بھی وہی ہے۔ لوگ بھی وہی ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے ایسا کیوں ہو گیا ہے''۔

''ہاں سب کچھ وہی ہے۔ لیکن آدمی کی نیت میں فرق آ گیا ہے''۔

''نیت پر یاد آیا۔ مندر میں جو مہاراج آیا تھا اس کا پورا گیان گھول کر پی گئے ہو شاید''۔

''مہاراج نے تو کبھی کسی کو برا نہیں کہا تھا۔ اپنا فرض۔ اپنا دھرم سمجھا کر گئے''۔

''انہیں باندھ کر کیوں نہیں رکھا؟ تمہارے جیسے پچاس چیلے بن جاتے ابھی تک۔ گاؤں بھی سُدھر گیا ہوتا''۔

''دیوی کے زیورات لے کر بھاگ گیا بدمعاش۔ اور کہتے ہیں کہ فرض سکھا گیا''۔

''زیورات کی چوری کرنے کی ضرورت انہیں نہیں تھی وہ سچ مچ کے مہاراج تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہارا غصہ بھاگوت پر اور ہم پر ہے اسی لیے تم مہاراج کے بارے میں اس طرح کی باتیں بلا وجہ کر رہے ہو۔ تمہیں ان کی باتیں اچھی نہیں لگتیں تو مت مانو۔ مہاراج نے دیوی کے مندر کو جگمگا دیا تھا۔ پچھلے سال دیوی کے آشیرواد سے پیداوار بھی اچھی ہوئی تھی۔ اس گاؤں کا سارا وجود ہنومان جی اور بھوانی ماں سے ہے''۔

''ہم بھی اس بات کو مانتے ہیں بھیا۔ ایک بڑا سادھو مجھ سے کہہ گیا ہے کہ جب سے تمہارے گاؤں میں ہنومان جی کا چبوترہ بنا ہے تب سے گاؤں کی لکشمی چلی گئی ہے''۔

''کیا گدھے جیسی بات کر رہے ہو''۔

''ارے سنو گے بھی یا خالی بک بک کرو گے۔ یہ چبوترا ایک فقیر نے بنوایا تھا یعنی کہ ایک مسلمان نے۔ اس نے جان بوجھ کر اس کام میں گائے کی ہڈی کے ٹکڑے کچھ پھونک کر ڈال دیئے ہیں۔ تب سے ہنومان مہاراج گاؤں سے نکل کر غصہ میں گاؤں کے دروازے پر جا کر بیٹھ گئے ہیں۔ ہوم، ہون اور پوجا کر کے انہیں پالکی میں لانا چاہیے اور نیا چبوترہ بنوانا چاہیے''۔

یعنی مندر میں جو ہنومان جی مہاراج دکھائی دے رہے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ تم ایک نمبر کے بے وقوف ہو۔ مان لو کہ ہنومان جی کو پھر گاؤں میں لے آئے اور تم اسی طرح گھر میں گانجا پینے بیٹھ گئے تو تمہارا کھیت اپنے آپ اناج سے بھر جائے گا کیا؟ بھاگوت، رام لعل، پانڈو کاکا سے ہنومان جی خفا کیوں نہیں ہوتے۔ مجسم لکشمی اب بھی تو ان کے گھر میں رہ رہی ہے۔ آپ لوگوں کے دماغ کا بھی جواب نہیں ہے''۔

''ارے مجھے غلط کیوں سمجھ رہے ہو۔ وہ سادھو قسم کھا کر کہہ رہا تھا۔ شرط لگاؤ اگر نہیں کہا ہو''۔

''اچھا بابا۔ تم جو کہہ رہے ہو وہی صحیح ہے''۔

''تم لوگ بیکار ہی جھگڑ رہے ہو۔ وہ بھی اتنی معمولی بات کے لیے۔ جھگڑے بکھیڑے میں ہی یہ گاؤں برباد ہو گیا۔ کچھ دن پہلے ایک مارواڑی کی جان گئی۔ آپسی جھگڑے میں ہی دوسرا دنیا سے اُٹھ گیا۔ کتنا پیسہ برباد ہوا۔ کتنی پریشانیاں بڑھیں۔ ان کے مسلسل جھگڑے کی وجہہ سے گاؤں میں اختلاف بڑھ گیا ہے جو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ بھلا تو کسی کا نہیں ہوا مگر کہے کون — اچھے کام کے لیے آپسی اختلاف بھول کر کوئی ایک ساتھ نہیں ہوتا—''۔

''یہاں کے لوگوں کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ خود کو عقلمند سمجھتے ہیں''۔ باتوں کا رُخ موڑنے کے لیے پٹواری جان بوجھ کر آفس میں پڑے اخبار ''مراٹھواڑے'' کا پرانا شمارہ زور زور سے پڑھنے لگا:

''پمپل گاؤں میں بینک کے قرض پر کھودا ہوا سروے نمبر 73 کا کنواں چوری ہو گیا ہے۔ کورٹ میں کیس دائر ہوا ہے''۔

''کنواں کیسے چوری ہو گا؟ ذرا ٹھیک سے پڑھئے''۔ لوگوں نے دلچسپی دکھائی۔

''صاف صاف لکھا ہوا ہے۔ ویسے اپنے یہاں بھی ایسا ہوا ہے۔ کہیے تو بتاؤں''۔

''جھمیلے اور قرض اپنے گاؤں میں کافی ہیں لیکن کنواں کی چوری.......''۔

''میں پٹواری ہوں اس لیے جانتا ہوں۔ سب کے کھیتوں کو میں دیکھ چکا ہوں۔ بینک آپ کا ہے آپ کو جتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے وہ دیتا ہے۔ آپ اسے جس مد میں چاہیں خرچ کرتے ہیں۔ لیکن کنواں کے لیے لئے ہوئے قرض سے دو چار ہاتھ زمین بھی کھودنی چاہیے۔ دکھاوے کے لیے ہی سہی بینک کے چیئر مین بھروسے پر رقم دے دیتے ہیں۔ مگر ان کے بھروسے کا پاس نہ رکھ کر انہیں ہی بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ قرض لیا، اقرار کیا۔ پنچنامہ کیا، لیکن کنواں نقشے میں رہ گیا۔ اس طرح بے ایمانی سے چوری چلا گیا۔ الٹی چال چلنا تو اس گاؤں کے بھی لوگ جانتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں کیلا لگانے کے لیے قرض لے کر' پودا اکھاڑ کر پھینکنے والے بھی اسی گاؤں میں موجود ہیں۔ تم سب اس بات کو جانتے ہو۔''

''اجی پٹواری صاحب، افسر لوگ بھی زیادتی کرتے ہیں۔ بینک کچھ اور کہتا ہے اور یہ کچھ اور کرتے ہیں۔ پچھلے ہفتہ کچھ لوگوں کے گھروں سے مونگ پھلی اور روئی ضبط کر کے لے گئے۔ کئی گھروں پر پنچامے کیے جبکہ فصل نہ ہونے کی اطلاع اور قرض وصولی نہ کرنے کی گذارش سوسائٹی کے توسط سے بھیج دی گئی ہے''۔

''فصل کم ہوئی ہے، یہ میں مانتا ہوں۔ لیکن اتنی بھی کم نہیں ہوئی کہ سود ادا نہیں کر سکتے۔ باغ کے قرض کو بھی کوئی کہاں چکا رہا ہے۔ کیا اسے بھی معاف کر دیں؟''۔

''سارا قرض معاف کرنا پڑے گا پٹواری جی۔ بینک کو ہر حال میں کرنا ہوگا۔ جمہوری حکومت ہے۔ اب نظام شاہی نہیں ہے۔ پیسے اس لیے نہیں چکائے جا سکے کہ کئی سال سے خشک سالی ہے''۔

''اگر ایسا ہے تو بڑی خوشی کی بات ہے ہمیں کیا لینا دینا''۔

اسی وقت چپراسی آگیا۔ اس نے بتایا کہ سرپنچ صاحب آرہے ہیں۔ جگد یو حسب عادت جھومتے جھامتے، صبح کے نو بجے چھاتا لگائے آرہا تھا۔ دائیں بائیں مصاحب، ایک دو پنچ اور ساتھ میں توتیا بھی تھا۔ وہ جان بوجھ کر زور زور سے باتیں کر رہا تھا۔ بھاگوت اور اس کے دو ایک دوستوں کو بھی زبردستی ساتھ لانے میں کامیاب ہوا تھا۔ لال جی گھوڑے پر سوار ٹپ ٹپ کرتا ہوا کہیں چلا گیا۔ جگد یو نے اسے دیکھ کر ان دیکھا کر دیا۔

''کیوں بھائی سب بندوبست ہوگیا؟'' جگد یو نے آتے ہی پوچھا۔

''بالکل''۔

''لیکن گاؤں کے باقی لوگ ابھی نہیں آئے۔ چپراسی بھیجو''۔

''اب کوئی نہیں آئے گا۔ جن کو آنا تھا وہ آچکے''۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ کون سا پیپر پڑھ رہے ہو؟''۔ جگدیو نے ایک کے ہاتھ میں اخبار دیکھ کر پوچھا۔

''پرانا ہے''۔

''مراٹھواڑہ کون سا؟''

''اچھا ہے' بمبئی کا ہے۔''

''میٹنگ میں دیر ہو رہی ہے۔ ہم بہت دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں''۔

''ہاں' ہاں۔ لیکن میری غلطی نہیں ہے۔ آٹھ بجے تیار ہو رہا تھا کہ تعلقہ سے خط لے کر چپراسی آگیا کہ دو تین میٹنگوں میں شرکت کرنی ہے۔ ایجنڈا پڑھنے میں دیر ہو گئی۔ ویسے پرسوں ہی میں وہاں گیا تھا۔ اپنے گاؤں کی ترقی کے لیے میں نے جھگڑا کیا۔ پھر اورنگ آباد کے وہ انجینئر ملے۔ میں نے کہا، تین دن کے اندر بجلی لائن گاؤں میں آجانی چاہئے نہیں تو ہم الٹا سیدھا بنا دیں گے۔ تمہارے خلاف دہلی تک جائیں گے۔ وہ گھبرا گیا۔ اب سمجھو کہ اپنے گاؤں میں لائٹ آگئی اور اندھیرا ختم ہو گیا۔ گاؤں جگمگا اٹھے گا۔ ''کیوں؟''۔

''لوگوں کو کام پر جانا ہے مجھے بھی تحصیل جانا ہے۔ آج ریونیو کی میٹنگ ہے جو کچھ کہنا ہے جلدی کہیے۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی''۔

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ گرام سیوک چائے پانی کا انتظام ہے کہ نہیں ذرا دیکھو۔ تب تک ہم کچھ باتیں طے کرتے ہیں''۔

''جلدی کیجئے''۔

''گاؤں کا سرپنچ ہونے کے ناطے میں نے یہ ذمہ داری لی ہے کہ ودھان سبھا کے ممبر اور ضلع پریشد کے ممبر کا' گاؤں میں استقبال کیا جائے۔ اس پروگرام میں ضلع کے بعض نیتاؤں کو بھی بلانا ہے۔ ان سب کے آنے سے گاؤں کی ترقی کے لیے یقینی طور پر مالی امداد ملے گی۔ آپ سب لوگ روپے کی مانگ کریں گے۔ گاؤں میں ان کا جلوس بینڈ باجے کے ساتھ نکالا جائے گا۔ کھانا پینا ہوگا۔ اسٹیج تیار کرایا جائے گا۔ لاؤڈاسپیکر لانا ہوگا۔ ان سب میں ہزار روپے کا خرچ ہے یہ اندازہ ہے۔ ہمیشہ بھاگوت راؤ۔ لال جی، رام لعل اور ان کے

دوست ہمیں رقم دیتے رہے ہیں۔ آج بھی ان سے مجھے پانچ سو روپے لینے ہیں۔ باقی پانچ سو لوگوں کے حساب میں سے نکال لیں گے۔ اس کاغذ پر آپ دستخط کردیں۔ کیوں سکریٹری— ٹھیک ہے نا''۔

''بالکل''۔

''پانچ سو آپ دے دیجئے۔ پانچ سو میں ان لوگوں کی طرف سے دیتا ہوں۔ کسی کو کیوں تکلیف دی جائے آپ بھی تو غریب نہیں ہیں۔'' ایسا نہیں پھولوں کی تقسیم میں سب کو حصہ لینا چاہیے''۔

''پھر مجھے ایک روپیہ بھی نہیں دینا ہے۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ لوگ گاؤں کی ترقی کے کاموں میں ہاتھ نہیں بٹائیں گے تو اکیلا میں کیا کروں گا۔ آپ ہمیشہ ایسے فنکشن میں روپے دیتے رہے ہیں۔ آپ کی کھیتی بھی اچھی ہوتی ہے۔ تبھی لوگ آپ کی تعریف کرتے ہیں۔''

''معاف کیجئے۔ میری تعریف کر کے مجھے بے وقوف مت بنائے۔ ہر بار میں نے رقم دی۔ گاؤں کے لوگوں نے بھی دی۔ لیکن لوگ بار بار کہاں سے پیسے لائیں گے؟ استقبال میں اتنے روپے خرچ کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ ان نیتاؤں سے ہمارے بھی تعلقات ہیں۔ اُنہیں اپنائیت کی ضرورت ہے۔ ویسے ہم ان کے استقبال کی مخالفت نہیں کر رہے ہیں۔ دراصل ایسے موقع پر آپ نے ہمیشہ آدھی رقم خرچ کی ہے۔ ایسا مجھے آپ کے ہی آدمی بتاتے رہے ہیں۔ پھر ہمیشہ آپ نے باہر جا کر یہ کہا ہے کہ سب کچھ اپنی جیب خاص سے کیا ہے۔ کسی نے مدد نہیں کی— اس لیے ہم لوگوں سے نہ مانگو تو بہتر ہے''۔

''یہ غلط ہے۔ کس نے یہ سب بتایا''۔

''تحصیل کے اور ضلع کے دوست لوگ مجھے بتاتے رہے ہیں۔ آمنے سامنے کہلوا سکتا ہوں''۔

''میں فالتو بات بیچ میں لاکر جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے پیسہ چاہیے۔ تم ان لوگوں کو کیوں بہکا رہے ہو۔ میں نے گاؤں کی ترقی کے لیے خود بھی کتنے پیسے خرچ کیے ہیں''۔

''رہنے دیجئے سرپنچ صاحب۔ سب جانتا ہوں۔ میں مغلوں کے زمانے سے یہاں کا باشندہ ہوں، آپ تو اس گاؤں میں ابھی ابھی آئے ہیں۔ گاؤں کے لیے گھر جلا کر تیرتھ کرنے والے مائی کے لال ہم نے نہیں دیکھے۔ نظام سرکار کی حکومت سے اب تک پچاس

برساتیں دیکھ چکا ہوں۔ اس گاؤں کا گھوڑا پانی کے جماؤ تک تو سر بٹ دوڑتا ہے اس کے آگے دو پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ — بیل گاڑیاں، شیند ورنی سائے گاؤں تک دوڑتی ہیں۔ اس کے آگے بیل بیٹھ جاتے ہیں — لوگ گاؤں میں ہی اکڑتے اینڈتے رہتے ہیں۔ گاؤں کے باہر انہیں پوچھتا کون ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو گاؤں اتنا ویران کیوں ہو جاتا۔ بھاگوت کھری کھری سنانے لگا تو برامان گئے۔ کہتے ہیں یہ بری بات پر غصہ تو سگی ماں کو بھی آجاتا ہے'' — اور بھاگوت نے تو کچھ بھی جھوٹ نہیں کہا تو تیا مانگ بولا۔

''آگے کچھ کہا تو منہ توڑ دوں گا۔ اپنی حد میں رہ سالا، نالایق بھیک منگا کہیں گا''۔

''چار جوتے کھالوں گا لیکن سچ ضرور کہوں گا — مسلمانوں کی اتنی بڑی حکومت، داروغہ، امین صاحب یا تحصیل دار سے نہیں گھبرایا تو اب کیا ڈروں گا۔ اتنی جلدی بھول گئے کہ بھیک منگے نے ہی سرپنچ بنایا۔ تب اسی مانگ کو سیڑھیوں سے اٹھا کر تکیے کے پاس بٹھایا اور مٹھائی کھلاتے رہے۔ اب حد کی بات کرتے ہو۔ مجھے کسی سے لینا دینا نہیں ہے۔ اس گاؤں میں نہیں رہوں، دوسرے گاؤں چلا جاؤں تب روٹی مل جائے گی۔ اس گاؤں میں سچی بات کے لیے جگہہ نہیں رہ گئی ہے۔ لوگ اناج کے لیے ترس رہے ہیں اور ان کو جلسہ کرنا ہے۔ پیسے دو نہیں تو بے وقوف''۔

''چپراسی' اسے دو جوتے مار کے یہاں سے نکالو — اور سبھی لوگ دستخط کر کے گھر جاؤ۔ بھاگوت تم بھی سائن کرو''

''سائن وائن نہیں کروں گا۔ یہاں آگیا یہی بے وقوفی ہوگئی''۔

''تم کو کس نے بلایا تھا۔ خیر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ ہمارے ہوتے ہوئے گاؤں میں کچھ رکنے والا نہیں ہے''۔

''آپ کے آدمی اور آپ خود تین بار میرے گھر آکر خوشامد کر گئے تھے۔ تب کہیں میں آیا ہوں۔ مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں چلا''۔

بھاگوت کے اٹھتے ہی تو تیا مانگ بھی چلا گیا۔ دو چار لوگ ہی رہ گئے جن کے بیچ جگدیو بے چینی محسوس کرنے لگا۔

چہچہاتی ہوئی چڑیاں پیڑوں کے پتوں کے بیچ آکر چھپ گئیں۔ کھیتوں سے عورت، مرد اور مویشی گھر کی طرف لوٹ گئے۔ پرچھائیاں سمٹنے لگیں۔ مندر سے آرتی اور گھنٹوں کی ہلکی آوازیں آنے لگیں۔ دھندلا اندھیرا آہستہ آہستہ گاڑھا ہوتا گیا۔ بھاگوت کنویں کے کنارے لیٹا ہوا ہے کنویں کے کالے نیلے پانی کی سیاہی میں آنکھیں جمائے فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ کنویں کے

پانی میں اسے جے ونتا کی لاش کا احساس ہوتا ہے۔ تیرتی ہوئی لاش۔ اس کی لاش کو پولیس والوں نے اور لوگوں نے بڑی مشکل سے کنویں سے نکالا تھا۔ اس یاد سے وہ کانپ گیا— ایک بار توتیا نے قسم کھا کر بتایا تھا چنڈال چوکڑی اس کا اور جے ونتا کا نام لے کر افواہیں پھیلا رہی ہے۔ جانور چرانے والے شیوبا نے دیکھا تھا کہ وہ دونوں کنویں کے پاس دن دہاڑے گلے مل رہے ہیں— اتنا سنتے ہی اس نے توتیا کو طمانچہ جڑ دیا تھا— دو دن تک اس سے کھانا نہیں کھایا گیا۔ شیوبا کا کہنا صحیح تھا۔ اتنے بڑے سانپ کو دیکھ کر وہ ڈر سے لپٹ گئی تھی۔ اس سچائی سے کیسے انکار کر سکتا ہے۔ جے ونتا کی ماں کو جب اس افواہ کا پتہ چلا تو اس نے اسے کھانا نہیں دیا تھا اور گھما پھرا کر پوچھتی رہی تھی— گھر میں کھری عورت بنتی ہے مگر غیروں کی پیاس رکھتی ہے اور وہ رات بے رات کھیتوں میں گھوما کرتا ہے۔ گھر پر رہنے میں نانی مرتی ہے— بابا اور ماں کی باتوں سے بھی تن بدن جل اٹھتا تھا۔ گاؤں والوں کو مزہ چاہئے— شیوبا کی گواہی، گاؤں کی عورتوں کی گواہی، سچے جھوٹے پیسوں سے خریدے گواہ— تب کتنا غصہ آتا تھا— لیکن اتارتا کس پر—! جے ونتا کی طرح خودکشی کر لے؟ کنویں میں چھلانگ لگا دے— کتنی ہی مدت تک یہ فطور ذہن سے نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ دل ہی دل میں کچھ طے کرتا ہے۔ لیکن ہمت نہیں ہوتی۔ اسے اپنی زندگی سے پیار ہے۔ گنگا کی زندگی بھی اس سے وابستہ ہے۔ جے ونتا اپنی جان سے چلی گئی اور اس کے چاروں طرف کہانیاں الجھا کر گئی۔

بھگوان دیکھ رہا ہے اور اچھی طرح جانتا ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے— کالے نیلے پانی پر ترنگیں لہرا گئیں— سارا احساس آنکھوں میں سمٹ آیا۔ جے ونتا کی شبیہہ ابھر رہی ہے— جیسے وہ جیتی جاگتی کھلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی ہو۔ مسکراتی ہوئی — ہمیشہ کی طرح اس سے اور گنگا سے دل کھول کر باتیں کرتی ہوئی۔ کبھی سسرال کے بارے میں اور اپنی ذاتی زندگی سے متعلق اس نے نہیں بتایا۔ پوچھنے پر آنکھوں کا پانی چھپانے کی کوشش کرتی۔ صرف ایک بار اس نے بتایا تھا کہ گاؤں کے باہر دیوی کے مندر میں دو تین دن کے لیے گیروا لباس پہنے ہوئے ایک سادھو آیا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ شام کے وقت گاؤں میں آ کر آٹا مانگا کرتا۔ وہ اس کا شوہر تھا۔ اس نے پہچان لیا تھا۔ وہ اسے بلاتا تھا لیکن وہ نہیں گئی۔ البتہ اس کی ماں کو بتا دیا۔ وہ بہت آس لے کر مندر گئی تو اس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ جا چکا تھا— کہیں وہ پھر ادھر تو نہیں آیا تھا اور اسی نے جے ونتا کو کنویں میں ڈھکیل دیا ہو؟— جے ونتا نے کتنا سکھ پایا تھا؟— اس کا مرد پڑھا لکھا تھا۔ ناک نقشے کا اچھا تھا— آنکھوں

میں بس جانے کے لائق۔ اونچے خاندان کا تھا— لیکن جے ونتا کے کہنے کے مطابق وہ نامرد تھا۔ اور جے ونتا ہیرا تھی۔ اصلی! اس کے مرد کو اس کی ہی شرم کھا گئی۔ وہ اپنے آپ پاگل ہوتا گیا۔ جے ونتا کے ساتھ عجیب وغریب حرکتیں کرنے لگا— وہ جھنجھلاتی۔ غصہ کرتی۔ مگر آخر وہ اس کا شوہر تھا۔ دو سال گذر گئے۔ اس کی الجھنیں بڑھتی گئیں۔ ایک دن رات میں وہ ایک غیر مرد کو گھر لے آیا اور جے ونتا سے التجا کرنے لگا۔ اسے بچہ چاہئے وہ کسی صورت سے راضی نہیں ہوئی تو زبردستی اسے ننگا کر دیا جب وہ شور مچانے لگی تو دوسرا آدمی ڈر کر بھاگ گیا۔ اس کے جانے کے بعد غصہ میں لوہے کی گرم سلاخوں سے اس کی جانگھوں کو داغنے لگا۔ وہ چیختی رہی۔ اس کا شوہر اسی رات گھر سے نکل گیا، پھر کبھی نہ آنے کے لئے۔ جے ونتا نے گنگا کو تفصیل بتائی تھی۔ یہ کہانی جو آج تک کسی کو نہیں معلوم ہے پرسوں گنگا نے اسے سنائی تو وہ سکتے میں آگیا۔ اتنا سب سہتے ہوئے بھی جے ونتا کو مر جانے کی خواہش نہیں ہوئی۔ اسے اب کیا ہوا کہ کنویں میں کود گئی؟ چوکڑی نے اسے پھنسانے کے لیے جے ونتا کو کنویں میں ڈھکیلنے کی سازش تو نہیں کی؟ بھاگوت کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ کشمکش میں مبتلا ہو گیا— ناگ ناگن کے میل کے وقت کتنے زور سے اس سے لپٹی تھی جے ونتا۔ کتنی دیر تک لپٹی رہی تھی— کیلے کے باغ میں ننگے بدن حرکتیں کرتی ہوئی جے ونتا— جے ونتا مسکرا رہی ہے۔ سچ مچ وہی ہے ماتھے پر لال کم کم کا ٹیکہ لگائے ہوئے۔ جے ونتا— جیتی جاگتی— ہلتی ڈلتی— پانی میں۔

"پانی میں کب سے کھڑی ہوں"

بھاگوت چونک گیا۔ سارا جسم پسینہ سے تر بتر ہو گیا۔ گنگا کنویں کے کنارے کھڑی تھی۔ اس کی پرچھائیں کو اس نے جے ونتا سمجھ لیا تھا— وہ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"سوچا کہ آپ کی محویت دیکھتی رہوں۔ میں کب سے کھڑی ہوں۔ آخر آپ کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں؟ کیا پوری دنیا کو خریدنے کا ارادہ ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

"اندھیرا چھا رہا ہے۔ گھر نہیں چلنا کیا؟"

"تھوڑی دیر میں چلتے ہیں"۔

"آج تھکے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ کیا بات ہے؟

"نہیں کچھ بھی نہیں یوں ہی بیٹھ گیا تھا۔"

"آپ بیکار سوچتے رہتے ہیں۔ کھیت میں کام بڑھا رکھا ہے۔ اپنے ہاتھوں اپنی

جان کو تکلیف دیتے ہیں۔ دوسروں کے لیے اتنا کچھ کیوں کرتے ہیں — جوار، روئی، کیلا، کنواں اور نہ جانے کس کس بات کی فکر رہتی ہے۔''

''جانتا ہوں۔ مگر میں دوسروں کے لیے بھی جیتا ہوں۔ اور تمہارے لیے زیادہ محنت کرتا ہوں۔''

''مجھے اتنا کچھ چاہیے کیا؟''

''ہاں، کیونکہ تمہارے پیٹ میں ایک اور پل رہا ہے''۔

''بڑے آئے پیٹ والے کی فکر کرنے.........''

''کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟ پھر تم جو کہو وہی سچ ہے''۔

''اچھا ہٹائیے۔ ایک بات سنئے، گھر میں کہنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ ان دنوں پیٹ کا درد بڑھ گیا ہے۔ بہت بے چینی ہوتی ہے۔ گھر کے ماحول سے ڈر لگتا ہے کہ کس طرح خیر خوبی سے نبھے گا....''

''سب ٹھیک رہے گا۔ بھگوان پر بھروسہ رکھو۔ وہی فکر کرنے والا ہے۔ تمہیں ایک بات بتاؤں میں نے کچھ باتیں ابھی سے طے کر لی ہیں۔ کھیتی باڑی میں اب زیادہ وقت دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ فصل کی ساری چیزیں مہیا ہیں۔ باغ میں پودے اب بڑے ہو گئے ہیں۔ ان کی بھی زیادہ دیکھ بھال نہیں کرنی ہے۔ اس لیے اب صرف ہری بھری پرچھائیوں کے بیچ تمہارے ننھے منے کو گود میں لے کر گھومنا ہے۔ گھر کی باتوں کو تم سنبھالتی رہنا۔ میں تو باہر رہتا ہوں۔ ویسے بھی بکھیڑے، پریشانیاں مجھ سے برداشت نہیں ہوتی ہیں۔ اب باغ کے اندر تمہارے بچے کی خاطر چھوٹا سا گھر بناؤں گا۔ کیلے اور موسمی کے پیڑوں کے بیچ۔ باغ کی بھی دیکھ ریکھ ہوگی اور میری گنگا کو غصہ نہیں آئے گا۔ تمہیں وہاں کھلا پن ملے گا۔ اس دھرتی ماں کی مہربانی بڑی ہے گنگا۔ اسی کے آشیرواد سے سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔ اسی کی مٹی میں پڑے رہیں گے تو وہ کچھ بھی کم نہیں ہونے دے گی۔ فصل کی لہلہاہٹ اور چڑیوں کی چہچہاہٹ کے بیچ تم اپنا دکھ درد بھول جاؤ گی — ادھر میں کھیت میں بہت مصروف رہا۔ گھر کے اور گاؤں کے وہی جھمیلے ہیں جن سے مقابلہ کرنا میرے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ میں نیا کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ کھیتی میں نیا تجربہ۔ پرسوں پھر بمبئی اور پونہ کے ایگریکلچر کالج سے کچھ لوگ آئے تھے۔ میرا حوصلہ بڑھ گیا ہے۔ کیلے کے پچیس پودے اور ہائے برِیڈ جوار کے پلاٹ سے کچھ بھٹے وہ لوگ اگلے ہفتہ لے جائیں گے۔ مہاراشٹر زرعتی نمائش کے لیے سب کچھ وہی کر رہے ہیں سنا

ہے، سرکار انعام اور سند دے گی۔ سچ گنگا ان سب باتوں کی مجھے خبر نہیں تھی۔ ہم اپنی زندگی گذارنے کے لیے کھیتوں میں محنت کرتے ہیں لیکن کچھ اہم کرنے کے لیے لگن سے کام ہرگز نہیں کرتے۔ مگر اب میں ایک نئی دنیا تعمیر کرنا چاہتا ہوں۔ گاندھاری کے لوگوں کی آنکھیں کھولنا چاہتا ہوں۔ ان ہی لوگوں نے مجھے پاگل قرار دیا تھا جب میں کھیت پر زیادہ محنت کرتا تھا — تلخ باتوں کی کیسی کیسی یادیں ہیں — ان یادوں کے بیچ کبھی کوئی خوشگوار باتیں بھی ہو جاتی ہیں — ابھی پرسوں کی بات ہے۔ میں مہوے کے پیڑ کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک دو چھوٹے چھوٹے طوطے میرے کندھے پر آبیٹھے۔ وہ کچھ بولنا چاہ رہے تھے — میٹھا میٹھا۔

بھاگوت کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے اور گنگا نے چونک کر دیکھا۔ کوئی ادھر آرہا تھا۔

''کون؟ پنڈری! اس طرف کے کھیت میں کیوں آئے ہو؟ تم لوگ ابھی پندرہ دن اُدھر کے باغ کی ہی دیکھ بھال کرتے رہو۔ گنّا اور مونگ پھلی سے زیادہ کیلے اور روئی پر محنت کرو۔ پرسوں ایگریکلچر والے لوگ آکر گئے ہیں۔ ہفتہ عشرہ میں پھر آئیں گے۔ پانی، کے کیلے کی طرف جارہا ہے یا گنّے کے کھیت میں؟''۔

''..............''۔

''ارے میں پوچھ رہا ہوں پانی کدھر جارہا ہے؟''۔

''اُدھر کے باغ میں چلیے مالک''۔

''اس وقت کس لیے؟ تم تو وہیں سے آرہے ہو''۔

''نصیب پھوٹ گیا مالک''۔

''کیا ہوا؟ جلدی بتاؤ''۔

''سارا خون پسینہ برباد ہو گیا........''۔

''آخر کیا ہوا۔ بول''۔

''وہ جو بھٹے بھیجنے تھے اور کیلے کے پودے، کسی نے کاٹ کر پھینک دیئے ہیں۔ بتانے کی میری ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کسی دشمن کے ہاتھ کو آگ لگ گئی مالک — گذشتہ سال بھی بوائی سے پہلے ہل اور باردانے کو جلا ڈالا تھا۔ اب یہ کیا ہے —''۔

بھاگوت سکتے کے عالم میں پنڈری کو دیکھتا رہ گیا۔

اجنتا کے غاروں کی پہاڑی پر دعویٰ کرنے والوں کی یلغار تھی۔

لال، چمپئی، جامنی لپٹوں کی زبانیں اندھیرے کی طرف بڑھنے لگی تھیں۔

مراٹھی کے جدید شاعر این۔ڈی۔ مہانور کا ناول گاندھاری بہت مشہور ہے اور نئی نسل میں بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ یہ نظام حکومت کے خاتمے کے بعد کے دور کا ایک خاکہ ہے۔ گاندھاری حیدرآباد ریاست میں واقع ایک گاؤں تھا (جو اب مہاراشٹر میں ہے) جہاں سینکڑوں کردار اس طرح ابھرتے ہیں کہ تب کا عہد بھی الفتا ہے۔ یہ ناول صرف سماجی سچائی نہیں ہے بلکہ ایک گاؤں کے ان خوابوں اور حالات کا عکس ہے جس میں وہاں کے لوگ ڈوبتے ابھرتے رہتے ہیں۔ اس گاؤں میں غنڈے بھی ہیں شریف بھی ہیں۔ اس گاؤں میں ہر طرح کے حادثے ہوتے ہیں۔ گاندھاری ایسا گاؤں ہے جس کا موازنہ مہابھارت کی کردار گاندھاری سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

اس ناول کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ہندی سے اُردو میں کیا ہے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں۔ انھوں نے ادب کی تخلیق و تنقید، تصنیف وتالیف اور ترتیب وتزئین کے لیے خود کو وقف کر رکھا ہے۔

ISBN 81-237-4332-7

قیمت :45.00

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا